فون نمبر: 5863260 5862956 مدیر: چوہدری ریاض احمد نائب مدیر: حامد رحمٰن رجسٹرڈ ایل نمبر: 8532
Email: centralanjuman@yahoo.com قیمت فی پرچہ -/10 روپے

جلد نمبر 102 | 9 جمادی الاوّل تا 10 ربیع الثانی 1436 ہجری یکم مارچ تا 31 مارچ 2015ء | شمارہ نمبر 6-5

احمدیہ انجمن لاہور کی خصوصیات

- آنحضرت ﷺ کے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا، نہ نیا نہ پرانا۔
- کوئی کلمہ گو کافر نہیں۔
- قرآن کریم کی کوئی آیت بھی منسوخ نہیں نہ آئندہ ہوگی۔
- سب صحابہ اور آئمہ قابل احترام ہیں۔
- سب مجددوں کا ماننا ضروری ہے۔

حضرت مرزا غلام احمد قادیانیؒ (مجدد صد چہاردہم)

توحید اور خدا دَانی کی متاع رُسول کے دامن سے ہی ملتی ہے

اس میں شک نہیں کہ توحید اور خدا دَانی کی متاع رُسول کے دامن سے ہی دنیا کو ملتی ہے بغیر اس کے ہرگز نہیں مل سکتی اور اس امر میں سب سے اعلیٰ نمونہ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے دکھایا کہ ایک قوم کو جو نجاست پر بیٹھی ہوئی تھی ۔ ان کو نجاست سے اُٹھا کر گلزار میں پہنچا دیا۔ اور جو روحانی بھوک اور پیاس سے مرنے لگے تھے ان کے آگے رُوحانی اعلیٰ درجہ کی غذائیں اور شیریں شربت رکھ دیئے ۔ ان کو وحشیانہ حالت سے انسان بنایا پھر معمولی انسان سے مہذب انسان بنایا پھر مہذب انسان سے کامل انسان بنایا اور اس قدر ان کے لئے نشان ظاہر کئے کہ ان کو خدا دکھلا دیا۔ اور ان میں ایسی تبدیلی پیدا کر دی کہ انہوں نے فرشتوں سے ہاتھ جا ملائے ۔ یہ تاثیر کسی اور نبی صلعم سے اپنی اُمت کی نسبت ظہور میں نہ آئی کیونکہ ان کے صحبت یاب ناقص رہے پس میں ہمیشہ تعجب کی نگاہ سے دیکھتا ہوں کہ یہ عربی نبی جس کا نام محمد صلعم ہے (ہزار ہزار درود اور سلام اُس پر) یہ کس عالی مرتبہ کا نبی صلعم ہے اس کے عالی مقام کا انتہا معلوم نہیں ہو سکتا۔ اور اس کی تاثیر قدسی کا اندازہ کرنا انسان کا کام نہیں ۔ افسوس کہ جیسا حق شناخت کا ہے اس کے مرتبہ کو شناخت نہیں کیا گیا۔ وہ توحید جو دنیا سے گم ہو چکی تھی وہی ایک پہلوان ہے جو دوبارہ اس کو دُنیا میں لایا۔ اس نے خدا سے انتہائی درجہ پر محبت کی اور انتہائی درجہ پر بنی نوع کی ہمدردی میں اس کی جان گداز ہوئی اس لئے خدا نے جو اس کے دل کے راز کا واقف تھا اس کو تمام انبیاءؑ اور تمام اولین و آخرین پر فضیلت بخشی ۔ اور اس کی مرادیں اس کی زندگی میں اس کو دیں ۔ وہی ہے جو سرچشمہ ہر ایک فیض کا ہے ۔ اور وہ شخص جو بغیر اقرار افاضہ اس کے کسی فضیلت کا دعویٰ کرتا ہے وہ انسان نہیں ہے بلکہ ذریت شیطان ہے کیونکہ ہر ایک فضیلت کی کنجی اس کو دی گئی ہے اور ہر ایک معرفت کا خزانہ اس کو عطا کیا گیا ہے جو اس کے ذریعہ سے نہیں پاتا وہ محروم ازلی ہے ۔ ہم کیا چیز ہیں اور ہماری حقیقت کیا ہے ۔ ہم کافرِ نعمت ہوں گے اگر اس بات کا اقرار نہ کریں کہ توحید حقیقی ہم نے اسی نبی صلعم کے ذریعہ پائی اور زندہ خدا کی شناخت ہمیں اس کامل نبی صلعم کے ذریعہ سے اور اُس کے نور سے ملی ہے ۔ (حقیقۃ الوحی)

اداریہ

اعتدال

اسلام دینِ فطرت ہے جو ہر چیز میں توازن اور اعتدال کی تعلیم دیتا ہے اور یہی وہ خوبی ہے جو اسلام کو دوسرے مذاہب سے ممتاز کرتی ہے یہی وہ رستہ ہے جو مسلمانوں کے لئے دنیا و آخرت کی کامیابی کی ضمانت ہے جیسے کہ اللہ تعالیٰ نے خود یہ دعا سکھائی:

''اے ہمارے رب، تو ہمیں اس دنیا میں بھی بھلائیاں عطا کر اور آخرت میں بھی بھلائیاں عطا کر اور جہنم کی آگ کے عذاب سے نجات دے'' (سورۃ البقرہ)

اسلام نے اللہ تک پہنچنے اور اسکا قرب پانے کے لئے نہ اُس تجرد کی تعلیم دی ہے جو گزشتہ مذاہب میں پایا جاتا ہے اور نہ ہی صرف دنیا کو مقصود بنانے کی حوصلہ افزائی کی ہے کیوں کہ یہ دونوں انتہائیں ہیں اور انتہاء کبھی مثبت نتائج کی حامل نہیں ہو سکتی۔ گزشتہ مذاہب کی گوشہ نشینیاں انسان کو اس بے عملی کی جانب لے کر جاتی ہیں جہاں کارِ جہاں اور ترقی متاثر ہوتی ہے جبکہ موجودہ زمانے کی مادیت انسان کو اسی حیوانی خود غرضی اور سرد مہری کے رستے پر گامزن کر رہی ہے جو نیم حیوان انسان کی تھی۔ جس کی زندگی اور سوچ کا منبع و محور صرف اسکی خوراک اور بقاء کی کوشش تھی۔

اچھے اور برے میں فرق واضح کرنے والی کتاب، قرآن کے نزول اور اپنے آخری نبی حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے بعد اب کچھ نیا نہیں، توحید کا اقرار اور آقائے دو جہاںؐ کی اتباع زبانی جمع خرچ سے نہیں ہو سکتے۔ انسان صرف دنیا ہی کی کوشش میں گم ہو جائے اور اللہ کی رضا کو پس پشت ڈال دے یا دین کا لبادہ اوڑھ کر دوسرے انسانوں سے بغض و نفرت رکھے۔ اللہ اور اسکے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت اور یہ سفلی خواہشیں اور جذبات دونوں بیک وقت ایک ہی دل میں اکھٹے ہو نہیں سکتے۔ اللہ سے محبت کا دعویٰ اس وقت تک مشکوک ہی رہے گا جب تک آپ صلعم کی اتباع عملاً دکھائی نہ دے کیوں کہ آپؐ رحمت العالمین ہیں جن کے متبعین کے لئے اللہ رب العزت نے معیار اور شرط رکھی ہے:

''اگر تم اللہ سے محبت کا دعویٰ کرتے ہو تو میری اتباع کرو تا کہ اللہ تم سے محبت کرے''۔

اسکے بعد ہر انسان کو اپنا جائزہ خود لینا چاہیے کہ آیا وہ اللہ تعالیٰ کے بنائے ہوئے اس معیار کی رو سے اللہ کے رسولؐ کا متبع ہے بھی کہ نہیں۔ اور اگر ہے تو ٹھیک لیکن اگر جواب نفی میں آئے تو اصلاح اور توبہ کا در کبھی اللہ کے ہاں بند نہیں ہوتا مگر شرط صرف یہ ہے نیتوں میں کھوٹ نہ ہو۔

جو اصول انفرادی معاملات پر لاگو ہوتا ہے وہی اجتماعی معاملات پر بھی لاگو ہوتا ہے۔ کیوں کہ قوم کسی خلائی مخلوق کا نام نہیں، افراد کے مجموعے کو قوم کہا جاتا ہے اور اللہ تعالیٰ کا کھلا کھلا اعلان ہے کہ:

''بے شک اللہ تعالیٰ اس وقت تک کسی قوم کی حالت نہیں بدلتا جب تک وہ اپنی حالت خود نہ بدلے'' اور یہ بھی فرما دیا ہے کہ ''میرا وعدہ ظالموں کے ساتھ نہیں''۔ انتہاء ایک ظلم ہے اس لئے زندگی کے معاملات میں اعتدال بھلائی کے رستے پر گامزن کرتا ہے۔

☆☆☆☆

توبہ و اِستغفار

خطبہ جمعۃ المبارک، فرمودہ حضرت امیر ڈاکٹر عبدالکریم سعید صاحب ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز

مورخہ 14 مارچ 2015ء بمقام جامع دارالسلام، لاہور

''اللہ بے انتہا رحم والے بار بار رحم کرنے والے کے نام سے

ترجمہ: ''اے میرے بندو جنہوں نے اپنی جانوں پر زیادتی کی ہے اللہ کی رحمت سے مایوس نہ ہو۔ اللہ تعالیٰ سبھی گناہ بخش دیتا ہے۔ ہاں وہ بخشنے والا رحم کرنے والا ہے''۔ (سورۃ الذمر آیت نمبر 53)

''مگر جس نے توبہ کی اور ایمان لایا اور اچھے عمل کرتا رہا، تو ایسے لوگوں کی بُری زندگی کو اللہ نیک زندگی سے بدل دیتا ہے اور اللہ تعالیٰ بخشنے والا رحم کرنے والا ہے''۔ (سورۃ الفرقان آیت نمبر 70)

یہ آیات جن کی میں نے تلاوت کی وہ آج کے خطبہ کے مضمون ''توبہ اور استغفار'' سے متعلقہ ہیں۔ یہ الفاظ قرآن کریم اور احادیث اور ہماری روزمرہ زندگیوں میں استعمال ہوتے ہیں۔ ان دونوں کا مفہوم مختلف ہے۔ **لفظ توبہ واپس آجانے کو کہتے ہیں** جیسے کوئی غلط راستے پر نکل پڑے اور اس کو احساس ہوجائے کہ وہ غلط سمت میں جا رہا ہے تو وہ واپس اس طرف رُخ کر دے جہاں سے غلطی ہوئی اور صحیح راستہ اختیار کرلے۔ اس طرح ہم کہہ سکتے ہیں کہ **توبہ غلطی ہوجانے کے بعد درست راہ اختیار کر لینا ہے کیونکہ توبہ میں غلطی ہونا ایک ضروری امر ہے** لیکن جہاں پر ہم استغفار کا ذکر کرتے ہیں وہاں پر ضروری نہیں ہوتا کہ گناہ ہوگیا ہے کیونکہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث میں اُن کا بھی کم از کم ایک دن میں 70 مرتبہ استغفار بیان کیا گیا ہے۔ اس سے دشمن یہ اعتراض اٹھاتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم (نعوذ باللہ) گناہ گار نبی تھے معصوم نبی نہیں تھے۔

یہ یاد رہے کہ استغفار کا مطلب ڈھال ہے کیونکہ ہمارے عقیدے کے مطابق نبی معصوم ہوتے ہیں، ان سے وہ گناہ سرزد نہیں ہوتے جو ہمارے تصورات میں آتے رہتے ہیں۔ اس کے برعکس بائبل نے ہر نبی کو گناہ گار ثابت کرنے کی عبارات لکھی ہیں۔ یہ یوں ہے کہ اللہ تعالیٰ کے پاس ایک ''پلین اے'' تھا جس میں (نعوذ باللہ) وہ ناکام رہا اور نبیوں تک گناہ گار ٹھہرے۔ اس کا حل عیسائی تعلیم کے مطابق اللہ نے ''پلین بی'' استعمال کیا یعنی ایسا معصوم نبی جس نے اپنے آپ کو قربان کر دیا اور اللہ نے انسانیت کے گناہوں کا ازالہ یوں کیا۔

توبہ اور استغفار کا مقصد

استغفار کا مقصد ہرگز یہ نہیں کہ گناہ ہو بلکہ استغفار کا مقصد گناہ سے ڈھال اور گناہوں سے بچا رہنا مقصود ہے۔ پھر اُس میں وہ پہلو بھی آجاتا ہے کہ کوئی بھول چوک ہوجائے تو اللہ تعالیٰ اس کو معاف کر دے اور پھر استغفار ترقی کرنے کا، آگے بڑھنے کا، خدا کی طرف قریب ہونے کا ذریعہ بھی ہے۔ **استغفار کی مثالیں نبیوں کی زندگیوں میں بھی آئیں۔** قرآن کریم میں ایک مقام پر حضرت یونس علیہ السلام کا قصہ آتا ہے کہ وہ اپنی قوم سے تنگ آکر بغیر اللہ تعالیٰ کے حکم کے اس قوم کو چھوڑ کر چلے گئے اور پھر اللہ کی پناہ میں ایک بہت عظیم دعا، جو قرآن میں شامل ہے، سے اللہ کی طرف رجوع کیا اور اللہ نے قبولیت عطا فرمائی۔ قرآن کریم میں یہ آیت ہم سب کے فائدہ کے لئے شامل کی گئی ہے تاکہ ہم سے بھی جب کوئی غلطی سرزد ہوجائے تو ہم بھی یہ دعا **''تیرے سوائے کوئی معبود نہیں تو پاک ہے، میں اپنے اوپر ظلم کرنے والوں میں سے ہوں''** (سورۃ الانبیاء آیت

نمبر 87) کہہ کر اللہ سے رجوع کیا کریں۔

اس آیت میں ایک طرف اللہ تعالیٰ کی پاکیزگی اور دوسری طرف انسان کی نقصان اُٹھانے والی حالت بیان کی گئی ہے۔ **جتنا اللہ کی پاکیزگی کو بلند مقام دیا جائے اور اپنی حالت کو پست سے پست تصور کیا جائے اُتنا ہی اللہ کی رحمت نازل ہوتی ہے۔ جیسے بلندیوں سے بارش کا برسنا اور زمین کا سیراب ہوجانا۔**

حضرت آدم علیہ السلام کا اللہ تعالیٰ کی ہدایات پر عمل نہ کرنا اور جنت سے نکل جانا اور پھر اُن کا توبہ کرنا اور مسلسل کرتے رہنا اللہ نے قبول کیا۔ اُن پر ایسی آیات نازل کیں جو قرآن میں درج کی گئیں کہ ہم ان سے استفادہ حاصل کرسکیں۔ تو اُن پر یہ نازل ہوجانا یوں ہے جیسے ایک مہربان ماں نہیں چاہتی کہ بچے کو سزا دے وہ ایک چھوٹا سا فارمولا بتا دیتی ہے کہ بیٹا Sorry یعنی ”مجھے معاف کردو“ کہہ دو تو وہ بچہ ڈوبی آواز میں ”مجھے معاف کردو“ کہہ دیتا ہے۔ اس کے بعد ماں کے پاس کوئی جواز نہیں رہتا کہ وہ اس کو نہ معاف کرے۔ ہم سب کو بھی یہ دعا **”اے ہمارے رب ہم نے اپنے اوپر ظلم کیا اور اگر تو ہماری حفاظت نہ کرے اور ہم پر رحم نہ کرے تو ہم یقیناً نقصان اُٹھانے والوں میں سے ہوں گے“** (سورۃ الاعراف آیت نمبر 23) کثرت سے مانگنی چاہیے۔

قرآن میں فرمایا گیا ہے کہ ”اور اللہ کے سب اچھے نام ہیں سو اُن کے ساتھ اُس کو پکارو“۔ (سورۃ الاعراف آیت نمبر 180) یعنی اللہ تعالیٰ سے معافی مانگتے وقت اُسے الرحمٰن، الرحیم، الغفور، التواب، العفو جان کر ہمیں دعا مانگنی چاہیے۔ **اللہ سے معافی مانگنی ہو تو اسے غفار کہہ کر پکارو اور اگر اُس سے رزق مانگنا ہو تو اس کو رزاق سمجھ کر اس سے رزق مانگو۔ ہمیں اللہ سے رحم مانگتے وقت، اس سے توبہ کرتے وقت اور اس سے استغفار کرتے وقت اسے بار بار رحم کرنے والا، بخشش کرنے والا، توبہ کو قبول کرنے والا سمجھ کر پکارنا چاہیے،** پھر ہم یہ اُمید کرسکتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ہم سے راضی بھی ہوگا اور ہمیں وہ چیز بھی دے گا جس کے لئے ہم کوشش کر رہے ہیں۔

توبہ گنتی کا نام نہیں

کوئی ہمیں یہ کہہ دے کہ اتنی دفعہ تسبیح پڑھا کرو اور فلاں آیات اتنی دفعہ پڑھو تو معاف کردیئے جاؤ گے لیکن **جب تک اس توبہ میں ہماری روحانی حالت شامل نہیں ہوگی تو پھر توبہ قبول کیسے ہوگی؟** ہمیں دل سے توبہ کرنی چاہیے ایسے جیسے ہمیں اپنی غلطی پر افسوس اور ندامت ہو (Regret) اور احساس ہو کہ یہ مجھ سے بہت بُری بات ہوگئی ہے لیکن اگر تھوڑا سا بھی چور دل میں رہ جائے اور ہر دفعہ یہی کہتا رہے کہ یہ گناہ آخری بار کر رہا ہوں۔ یہ جانتے ہوئے بھی کہ اگلی بار پتہ نہیں توبہ کا موقع ملے یا نہ ملے، کیا پتہ غلطی کرتے ہی میری جان چلی جائے۔ ہم جائزہ لیں کہ ہم یہ کیا غلطی کر بیٹھے ہیں اور آئندہ اس سے کیسے بچیں اور ہم اللہ کی آئندہ ناراضگی نہیں لیں گے (Relisation) ہم ان گناہوں سے بچے رہیں گے اور اپنے اندر ایک نمایاں تبدیلی لے آئیں گے **تو پھر اللہ تعالیٰ رجوع برحمت ہوگا** (Reform)

توبہ اور احادیث نبویؐ

ایک حدیث شریف میں آتا ہے کہ **”تمام بنی آدم گناہ گار ہیں اور بہترین گناہ گار وہ ہے جو گناہ کے بعد توبہ کرتا رہتا ہے۔“** یہ تو تصور بھی نہیں کیا جاسکتا کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم خدانخواستہ غلطیاں کرتے تھے اور دعائیں کرنے بیٹھ جاتے تھے۔

ایک اور حدیث میں ارشاد ہوتا ہے: ”گناہ جب ہوجاتا ہے اُس کے بعد جب انسان توبہ کرلیتا ہے تو خدا تعالیٰ کو اتنی خوشی ہوتی ہے جتنی ریگستان میں کسی مسافر کا اونٹ اس سے بھاگ جائے اور وہ وہاں ریت اور پیاس میں پھنس جائے اور پھر وہی اونٹ واپس اس کے پاس آجائے تو اُس کو جتنی خوشی ہوگی جو بیان کے قابل نہیں اُس سے زیادہ خوشی اللہ کو ہوتی ہے کہ جب اس کا بندہ اس کی طرف لوٹ آتا ہے۔

توبہ کے متعلق مجدد الزماں کے ارشادات

حضرت مرزا صاحب فرماتے ہیں کہ ہم دن میں اگر 100 دفعہ بھی گناہ

کریں اور بار بار اللہ سے توبہ کریں تو بھی وہ اللہ کو پسند ہے اور اللہ تعالیٰ ہمیں پھر بھی معاف فرما دیتا ہے۔

حضرت صاحب نے اس کی طرف توجہ دلائی ہے کہ **کبھی دعاؤں میں یہ نہ کہو کہ ''یا اللہ تو انصاف کر دے'' بلکہ یہ کہو کہ ''یا اللہ تو رحم کر دے''** کہتے ہیں کہ اگر خدا انصاف کرنے پر آ جائے تو انسان کی بخشش ناممکن ہو جائے، صرف اس کا رحم ہی ہے جو آپ کو بچا سکتا ہے کیونکہ وہ توبہ کرنے والے کی توبہ کو قبول کرتا ہے۔

حضرت مسیح موعودؑ نے جہاں عبادات کو، نمازوں کو خدا سے تعلق کا ذریعہ بتایا ہے وہیں توبہ اور استغفار کو بھی ایک بہت بڑا ذریعہ بتایا ہے۔ **انسان اور شیطان میں یہی نمایاں فرق ہے کہ ایک توبہ کرتا ہے اور ایک توبہ نہیں کرتا، ایک غرور کرتا ہے اور ایک غرور نہیں کرتا، ایک تکبر کرتا ہے اور ایک تکبر نہیں کرتا۔ توبہ جب تک دل سے نہ کی جائے بے فائدہ ہے۔ شیطان نے توبہ نہ کی، اس نے غرور کیا۔ انسان یعنی حضرت آدم علیہ السلام نے اس کے برعکس توبہ بھی کی اور کوئی تکبر نہیں دکھایا، ندامت کا اظہار بھی کیا اور اس غلطی کی معافی بھی مانگی۔ یہ نمایاں فرق ہے انسان اور شیطان میں۔**

حضرت صاحب فرماتے ہیں کہ اللہ کے رسول توبہ اس لئے کرتے ہیں کہ اِن کو اللہ تعالیٰ نے جو مشن دیا ہوا ہوتا ہے وہ چاہتے ہیں کہ ایک انسان بھی نہ رہے جو ان کے پیغام پر لبیک نہ کہے، ایک انسان بھی نہ بچے جو ان کے پیغام سے فائدہ نہ اٹھائے، ایک انسان بھی نہ بچے جو مسلمان نہ بنے اور جب وہ انسان ان کے پیغام نہیں سنتے اور اِن کے پیغام سے فائدہ نہیں اُٹھاتے تو وہ رسول محسوس کرتے ہے کہ شاید ہمارے اندر ہی کمزوری ہے۔ جیسے ایک استاد کسی بچے کو پڑھا رہا ہوتا ہے اور وہ بچہ سمجھ نہیں رہا ہوتا تو وہ استاد بچے کی غلطی سر لے لیتا ہے کہ شاید میرے اندر ہی کوئی کمزوری ہے کہ یہ بچہ صحیح طرح پڑھ نہیں رہا۔ لیکن جب تک وہ بچہ محنت اور توجہ نہیں دے گا تب تک وہ کامیاب نہیں ہوگا، تو غلطی استاد کی نہیں ہوگی بلکہ طالب علم کی ہوگی۔ اسی لئے رسول استغفار کرتے رہتے ہیں اور اسی حالت کی طرف سورۃ الشوریٰ میں اشارہ ہے کہ: **''شاید تو اپنی جان کو ہلاک کر دے گا کہ یہ ایمان نہیں لاتے''۔ (سورۃ الشعراء آیت 3)**

یہ وہ ہلاکت ہے جو قوم کے غم میں نبی پر وارد ہوتی ہے کیونکہ وہ معیار ان کو نظر نہیں آ رہا ہوتا جو وہ چاہتے ہیں۔

کیسے معلوم ہو کہ توبہ قبول ہوگئی ہے یا نہیں؟

یہ سوال ہر ایک کے دماغ میں آتا ہے۔ اس کا جواب قرآن میں یوں آتا ہے:

ترجمہ: **''مگر وہ لوگ جنہوں نے توبہ کی اور اصلاح کی اور کھول کر بیان کر دیا اُن پر میں (رحمت کے ساتھ) متوجہ ہوتا ہوں اور میں توبہ قبول کرنے والا رحم کرنے والا ہوں''۔ (سورۃ البقرہ آیت نمبر 160)** یعنی توبہ کرنا (Repend) اور اصلاح کرنا Reform اور پھر اس کے نتیجہ میں ایسی تبدیلی اپنے وجود میں لانا کہ وہ واضح طور پر محسوس بھی ہو اور نظر بھی آئے۔ اگر یہ تبدیلی توبہ کے بعد انسان میں آ جائے تو وہ سمجھ لے کہ توبہ قبول ہوگئی ہے۔

گناہ اسی لئے رکھا گیا کہ جب ہم سے غلطی سرزد ہو تو ہمارے پاس اس سے نجات حاصل کرنے کا ذریعہ ہو اور اس کے ذریعے ہم خدا کے اور نزدیک ہو جائیں۔ **جتنی ہم دل سے توبہ کریں اتنا ہی خدا کے نزدیک ہوتے جائیں گے۔**

حضرت جنیدؒ کی توبہ کا واقعہ

ہم روزمرہ دیکھتے ہیں کہ مسلمانوں میں سے کچھ مسلمان ایسے بھی ہوتے ہیں جو شراب بھی پیتے ہیں، گناہ پر گناہ ہی کیے چلے جاتے ہیں لیکن پھر بھی مسلمان ہی کہلاتے ہیں اور مسلمان ہی سمجھے جاتے ہیں کیونکہ وہ کلمہ گو ہوتے ہیں۔ لیکن جب تک ہمارے دل و دماغ میں لا الہ الا اللہ کا حقیقی تصور نہیں آئے گا یا محمد رسول اللہ صلعم کا پاکیزہ نمونہ نہیں آئے گا تو پھر پاکیزگی کہاں سے آئے گی؟

حضرت جنیدؒ بہت بڑے ولی اللہ ہیں۔ ولایت ملنے سے پہلے کا واقعہ ہے کہ ایک دن وہ شراب کے نشہ کی حالت میں جا رہے تھے کہ اُن کو ایک جگہ گندی نالی میں اللہ تعالیٰ کا مبارک نام پڑا ہوا نظر آیا اور انہوں نے اسے اُٹھا لیا اور گھر جا کر صاف کیا اور توجہ کی کہ میں کس حال میں تھا اور اللہ نے مجھے یہ سعادت بخشی

کہ میں اس کے نام کو گندی جگہ سے اُٹھالوں۔ یہ ظاہری گندگی مجھے نظر آئی اور میرے دل میں یہ کراہت محسوس ہوئی کہ یہ گندی ہے، اللہ کے نام پر یہ گندگی کسی نے لگائی ہے تو میں نے اس کو اُٹھا کر صاف کیا، کیوں نہ میں اپنے اندر کی روح کو جو گندی ہے اسی طرح دھوڈالوں اور صاف کردوں اور اللہ کے نام کے لئے اپنے دل کے اندر پاکیزہ مقام فراہم کروں۔ وہ ایک گناہ گار انسان جو اس وقت شراب کے نشے میں تھا، دنیا کا ولی اللہ ٹھہرایا گیا اور دنیا ان کو آج بھی ولی اللہ مانتی ہے۔

دوسروں کو معاف کرنا اور اُن کی گناہوں کی پردہ پوشی کرنا

میرا آج کا پیغام توبہ کے مضمون کے علاوہ یہ بھی بنتا ہے کہ ہم توبہ کریں اور جیسے ہم اللہ تعالیٰ سے توقع کرتے ہیں کہ وہ ہمیں معاف کردے گا اسی طرح اگر انسانوں سے غلطیاں ہوجائیں تو ہم بھی ان کو معاف کرنے کے لئے تیار ہوجایا کریں اور جیسے ہم گڑگڑاتے ہیں اور روتے ہیں نہ کہ گناہ کی پشیمانی کی وجہ سے بلکہ اس وجہ سے کہ میرا آج کا جو فعل ہے وہ لوگوں پر ظاہر نہ ہوجائے۔ ہمیں اس سے بھی سبق لینا چاہیے کہ جب ہمیں کسی کی غلطی کا پتہ چل جائے تو ہم بھی اُس کی پردہ پوشی کریں اور جگہ جگہ اُس کی کمزوری کی داستان نہ بیان کریں۔ یہ بھی غیبت کا گناہ بن جاتا ہے۔

یاد رکھیں کہ جو آپ کے سامنے کسی کی غیبت کرے تو آپ اُس کی حوصلہ شکنی کریں کیونکہ کسی اور کی غیبت کرنے والا کل آپ کی بھی غیبت کرسکتا ہے۔

دُعا

اللہ تعالیٰ سے ہم دعا کرتے ہیں کہ وہ ہمیں توفیق عطا فرمائے کہ ہم صحیح طریقہ سے اس سے معافی مانگنے والے بنیں اور اس کی وجہ سے اپنے اندر اصلاح کرنے والے اور اپنے اندر وہ تبدیلی لانے والے بنیں جو ہمارے لئے بھی بہتر ہو اور ہمارے جتنے تعلق دار ہیں ان کے لئے بھی بہتر ہو۔ اللہ تعالیٰ ہمارے تمام گناہ معاف فرمائے۔ اللہ ہمارے ملک کو اور ہماری جماعت کو حفظ و آمان میں رکھے۔ آمین

توبہ کیا ہے؟

توبہ اس حالت کا نام ہے کہ انسان اپنے معاصی سے جن سے اس کے تعلقات بڑھے ہوئے ہیں۔ اور اس نے اپنا وطن انہیں مقرر کرلیا ہے گویا کہ گناہ میں اس نے بودوباش مقرر کرلی ہوئی ہے۔ اس وطن کو چھوڑنا اور رجوع کے معنے پاکیزگی کو اختیار کرنا۔ اب وطن کو چھوڑنا بڑا گراں گذرتا ہے اور ہزاروں تکلیفیں ہوتی ہیں۔ ایک گھر جب انسان چھوڑتا ہے تو کس قدر اس کو تکلیف ہوتی ہے اور وطن کو چھوڑنے میں تو اس کو سب یار دوستوں سے قطع تعلق کرنا پڑتا ہے اور سب چیزوں کو مثل چارپائی، فرش، وہمسائے، وہ گلیاں کوچے، بازار سب چھوڑ چھاڑ کر ایک نئے ملک میں جانا پڑتا ہے یعنی اس (سابقہ) وطن میں کبھی نہیں آتا۔ اس کا نام توبہ ہے۔ مصیبت کے دوست اور ہوتے ہیں اور تقویٰ کے دوست اور۔ اس تبدیلی کو صوفیا نے موت کہا ہے۔ جو توبہ کرتا ہے، اسے بڑا حرج اُٹھانا پڑتا ہے اور سچی توبہ کے وقت بڑے بڑے حرج اس کے سامنے آتے ہیں اور اللہ تعالیٰ رحیم و کریم ہے وہ جب تک اس کل کا نعم البدل عطا نہ فرماوے، نہیں مارتا (یقیناً اللہ تعالیٰ توبہ کرنے والوں سے محبت کرتا ہے) میں یہی ارشارہ ہے کہ وہ توبہ کرکے غریب بے کس ہوجاتا ہے، اس لئے اللہ تعالیٰ اس سے محبت اور پیار کرتا ہے اور اسے نیکوں کی جماعت میں داخل کرتا ہے۔ (ملفوظات جلد اول ص ۲)

☆☆☆☆

23 مارچ 1940ء کی قراردادِ پاکستان اور قائد کا عزمِ صمیم

چوہدری ناصر احمد، ایم۔اے

جس میں نہ ہو انقلاب موت ہے وہ زندگی
رُوحِ اُمَم کی حیات کشمکش انقلاب

23 مارچ کو مسلمانوں نے شہر لاہور کے تاریخی منٹو پارک، آج کل کے اقبال پارک میں، وہ ریزولیوشن یعنی قرارداد پاس کی جو پاکستان کی تاریخ میں سنگ میل کی حیثیت رکھتا ہے۔ اُسی جگہ آج کل سر بفلک مینار پاکستان ہمارے سامنے ہے۔ قرارداد کا مقصد کسی منصوبہ کے حصول کے لئے عزم راسخ کے خدوخال کو پیش کرنا ہوتا ہے۔ اس اعتبار سے قوم نے اس دن ایک عزم کا اظہار کیا اور وہ عزم یہ تھا کہ ایک خطہ زمین حاصل کیا جائے جس میں قرآنی حدود و قیود میں رہ کر ایک اسلامی فلاحی ریاست قائم کی جائے۔ کسی مقصد کی شرطِ اولین عزم و ارادہ ہی ہوتا ہے۔ جتنا مقصد بلند ہوگا اتنا ہی زیادہ مضبوط عزم کی ضرورت ہوتی ہے۔ اپنے مقصد کی صداقت پر یقین محکم عزم و ارادہ کی بنیاد بنتا ہے۔

قرآن پاک نے زندگی کے مقاصد میں عزم کو ہی اولین قرار دیا ہے۔ انبیاء کرام کی کامیابیاں بھی اُن کے عزم و عمل کی بدولت تھیں۔

قوموں کی زندگی کا راز بھی عزم صمیم پر ہی ہوتا ہے۔ اس کے بغیر کامیابی ناممکن ہوتی ہے۔ بے یقینی ناکامی کا پیش خیمہ بنتی ہے۔

سن اے تہذیبِ حاضر کے گرفتار
غلامی سے ابتر ہے بے یقینی

یقین کا ہی دوسرا نام ایمان ہے۔ اسی نور سے راستے روشن ہوتے ہیں۔ یوم پاکستان قومی یقین محکم کا اظہار ہے۔ قوم کے عزم کی آئینہ دار قائد کی جہد مسلسل تھی جو انگریزوں، ہندوؤں اور پاکستان مخالف مسلمان گروہوں کے خلاف کی گئی۔ مارچ کے اس دن کی اہمیت کے حوالے سے پاکستان کے مرد بے نظیر مردِ مجاہد قائداعظم محمد علی جناح کے عزم کے چند واقعات پیش خدمت ہیں۔

قائداعظم کی زندگی کا پہلا حصہ نیشلزم سے وابستہ تھا۔ نیشلزم سے مراد تھی کہ ہندوستان میں بسنے والے تمام باشندوں پر مشتمل بلا لحاظ مذہب وملت قوم کی تشکیل ہو۔ لیکن افسوس کہ ہندو لیڈرشپ کے متعصب اور خودغرضی پر مبنی رویہ کی وجہ سے قائداعظم اس ہندو مسلم اتحاد کو برقرار رکھ کر آگے بڑھنے کے طریق سے بددل ہوگئے اور 1930ء میں آپ کا ارادہ مستقل طور پر انگلستان میں مقیم ہونا ہوگیا اور وہاں ایک مکان بھی خرید لیا۔

1932ء کو انگلستان میں راؤنڈ ٹیبل کانفرنس ہوئی جس میں علامہ اقبال نے شرکت کی اور وہاں جناح سے رابطہ ہوا۔ اقبال کی نگاہِ دوررس نے جناح کی قابلیت اور جذبہ حب الوطنی کو بھانپ لیا اور پھر مصور پاکستان کی بلند نگہی جناح کی کشادہ قلبی ہم رنگ ہوگئی اور 1935ء کے اوائل میں جناح وطن واپس آگئے اور اُن کا پہلا قدم مسلمانوں کے جداگانہ قومی تشخص کے لئے آگے بڑھا۔

1935ء میں گورنمنٹ آف انڈیا ایکٹ کے تحت جداگانہ انتخابات کا فیصلہ کیا گیا۔ یہ ہندوستان کے مسلمانوں کے لئے بڑا نازک مرحلہ تھا۔ مسلمان مختلف ٹکروں میں بٹے ہوئے تھے۔ اُن کو ایک پلیٹ فارم پر جمع کرنا ناممکن نظر آتا تھا لیکن قائد کے مثبت اندازِ فکر اور عزم نے ان رکاوٹوں کو دور کر کے قوم میں اتحاد پیدا کر کے ایک عظیم مقصد پر سب کی توجہ مرکوز کر دی۔ قائداعظم نے سنٹرل الیکشن بورڈ پارلیمانی کی تشکیل کی اور مختلف مسلمان جماعتوں کے نمائندوں نے اس میں شرکت کی۔ اتنے قلیل عرصہ میں ان متضاد عناصر کو اکٹھا کرنا یقیناً قائد کا ہی کام تھا۔ مولانا ظفر علی خاں کی اتحاد ملت پارٹی تھی اور اس کے مخالف مجلس

احرار تھی جو آپس میں انتہائی مخالف تھیں۔ پھر مسلم لیگ کے مقابلے میں جمعیت العلماء ہند کے لیڈران مثلاً مولانا حسین احمد مدنی، مفتی عنائت اللہ اور مولانا احمد سعید جیسے قد آور انسان تھے۔ حالات اس قدر مشکل تھے کہ 8 جون 1936ء کو مسلم لیگ کونسل اور پارلیمانی بورڈ کا ایک اجلاس ہونا ہے لیکن جگہ پر اختلاف تھے۔ انجمن حمایت اسلام کے تعلیمی ادارے کا حبیبہ ہال موزوں تھا۔ خود علامہ اقبال نے انجمن کے اُس وقت کے صدر مظفر خان سے اجازت مانگی لیکن نہ مل سکی اور مجبوراً یہ اجلاس برکت علی محمڈن ہال میں منعقد ہوا۔

قائداعظم کی کوششوں کو دھچکا لگائے جا رہے تھے۔ مولانا ظفر علی خان اور اُن کے ساتھی پارلیمانی بورڈ سے مستعفی ہوگئے۔ جمعیت العلماء ہند کا خیال تھا کہ لیگ کو کامیاب کرانے کے لئے پراپیگنڈا کی ضرورت ہے جس کا سارا خرچ مسلم لیگ کو برداشت کرنا تھا۔ جس کے لئے پچاس ہزار روپوں کی فوری ضرورت تھی مگر لیگ کے پاس اتنی رقم نہ تھی۔ جمعیت العلماء دیو بند کو اس پراپیگنڈہ کا مرکز بنانے کا مشورہ دے رہی تھی۔

قائداعظم نے انہیں سمجھانے کی کوشش کی کہ خلوص اور لگن سے کام شروع کردیا جائے اور جب قوم میں بیداری آجائے گی تو رقم کا بندوبست بھی ہوجائے گا لیکن یہ لوگ مطمئن نہ ہوئے اور مسلم لیگ کو چھوڑ کر کانگریس سے جا ملے اور پھر ساری عمر اس بات کے لئے وقف کردی کہ جناح اور مسلم لیگ کا نظریہ اور مسلک غیر اسلامی ہے اور ہندو کا موقف عین اسلام کے مطابق ہے۔ اس طرح کفر اسلام ہوگیا اور اسلام کفر بن گیا۔ یہی وجہ تھی کہ دوقومی نظریہ کو خلاف اسلام اور متحدہ قومیت کو عین اسلام سمجھا جانے لگا۔

''یونینیٹ پارٹی کے سر فضل حسین (مرحوم) نے مشہور کردیا کہ بمبئی کے تاجروں نے کئی لاکھ روپے بورڈ کو دیئے ہیں۔ اس سے احرار پارٹی کے چوہدری فضل حق اور مولانا حبیب الرحمٰن بھی مغالطہ میں آگئے لیکن پارلیمانی بورڈ نے اس کی بار بار وضاحت کی لیکن پھر بھی وہ مسلم لیگ سے الگ ہوگئے۔ (بحوالہ اقبال کے آخری دوسال مصنفہ عاشق حسین بٹالوی صفحہ 326)

پھر اس کے بعد مخالف جماعتوں نے پاکستان کے وجود میں آنے تک جناح کو کافر قرار دینے کے جہاد کو جاری رکھا۔ ذرا سوچئے کہ قائداعظم کے سوا کوئی بھی لیڈر ہوتا ان مشکل ترین اور مایوس کن حالات میں حوصلہ ہار بیٹھتا لیکن قائد استقامت سے آگے ہی بڑھتے گئے اور ان کی حیران کن جرات اور مسلمانوں کے لئے علیحدہ وطن حاصل کرنے کی لگن نے ان کو مخالفین کے سامنے آہنی دیوار بنا دیا۔

مارچ 1939ء کو مرکزی اسمبلی میں قائد نے تقریر کرتے ہوئے للکار کر کہا کہ: ''میں انگریز اور ہندوؤں کو متنبہ کرتا ہوں کہ تم الگ الگ یا دونوں مل کر بھی ہماری روح کو فنا کرنے میں کامیاب نہیں ہوگے نہ تم اس تہذیب کو مٹا سکو گے جو ہمیں ورثہ میں ملی ہے۔ ہمارا نور ایمان زندہ ہے، زندہ رہے گا تم ہم پر ظلم وستم کرو۔ ہمارے ساتھ بدترین سلوک کرو، ہم ایک فیصلے پر پہنچ چکے ہیں کہ ہم نے یہ عزم کرلیا ہے کہ ہم لڑتے لڑتے مرجائیں گے''۔

ہندوؤں کے مال و دولت اور انگریزوں کی حکومتی طاقت سے کہیں زیادہ تکلیف دہ اپنوں کی مخالفت اور نااتفاقی تھی۔ کانگرس کی آغوش میں بیٹھ کر مولانا مدنی نے فتویٰ دیا ''مسلم لیگ میں مسلمانوں کی شرکت حرام ہے اور قائداعظم کا فراعظم ہے''۔

مجلس احرار کے ممتاز لیڈر مولانا مظہر علی اظہر جنہوں نے پانچ سو روپوں کی خاطر مسلم لیگ کو چھوڑا تھا یہاں تک کہہ دیا کہ:

اک کافرہ کے واسطے اسلام کو چھوڑا
یہ قائداعظم ہے کہ کافرِ اعظم

بریلویوں کی طرف سے آواز آئی: ''بحکم شریعت مسٹر جناح اپنے عقائد کفریہ کی بنا پر مرتد اور خارج از اسلام ہے جو شخص اس کے کفر پر مطلع ہونے پر اُس کو مسلمان جانے یا اُسے کافر نہ مانے وہ بھی کافر اور مرتد ہے''۔ (بحوالہ فرقہ بریلوی کی کتاب اہل سنت عن اہل فتنہ ص 122)

یہاں یہ بات قابل غور ہے کہ تحریک احمدیہ لاہور کے اخبار لائٹ میں

جناح کی حمایت میں جماعت کے اکابرین مسلسل مضامین لکھتے رہے اور پاکستان کی نظریاتی سرحدوں کی حفاظت اپنا فرض اولین خیال کرتے تھے۔خود جناح اس اخبار کو پڑھتے تھے اور حضرت مولانا محمد علی صاحب کے بہت مداح تھے اور مسلم ٹاؤن جا کر ان سے ملاقات بھی کی تھی۔

قائداعظم کا عزم ویقین اتنا پختہ تھا کہ مخالفین کے تمام حربے بھی اُس کو کمزور نہ کر سکے۔۔۔۔۔ 1937ء کے انتخابات کے وقت مسلم لیگ کی حیثیت بڑی کمزور تھی لیکن اس مردآہن کی ان تھک کوششوں اور بے پناہ ہمتوں نے دو ہی سال کے عرصہ میں قوم میں جو انقلاب پیدا کر دیا اُس کی نظیر تاریخ میں ملنا مشکل ہے۔

1940ء کے اوائل میں جب فیصلہ ہوا کہ مسلم لیگ کا اجلاس مارچ میں لاہور میں ہی ہوگا تو عوام نے جس ذوق وشوق اور جوش وخروش سے اس فیصلے کا استقبال کیا اس سے نظر آ گیا کہ اب ایک نئی قوم تازہ اُمنگوں اور آرزوؤں کے ساتھ اپنے نصب العین کی طرف بڑھ رہی ہے اور پُرخلوص دلوں کا ایک سمندر بن گیا ہے جس کی طلاطم خیریوں کا اب کوئی حریف نہیں ہے۔ملک اور قوم کے سامنے بہار آفرین منظر تھا لیکن دوسری طرف اس کے مخالفین کو دُکھ تھا۔کانگرس کے صدر مولانا ابوالکلام آزادؒ اور سر سکندر حیات نے لاہور میں خفیہ ملاقات کی۔تاریخ مقررہ سے دو دن پہلے خبر پھیل گئی کہ لاہور میں خاکساروں کے جلوس پر گولی چلا دی گئی ہے۔شہر ماتم کدہ بن گیا۔دفعہ 144 لگ گئی۔کرفیو بھی لگ گیا لیکن قائداعظم کا عزم راسخ ایک جملے نے واضح کر دیا کہ خواہ مارشل لاء لگ جائے یہ اجلاس ہر حال میں منعقد ہوگا اور میں پروگرام کے مطابق لاہور پہنچ رہا ہوں۔قائد لاہور پہنچے تو چشم فلک نے لوگوں کے ایسے عظیم الشان اجتماع کا منظر کم ہی دیکھا ہوگا۔

قائد کی ذات کے ساتھ لوگوں کو والہانہ عقیدت تھی۔قائد نے اس مختصر عرصہ میں اپنی اثر انگیز شخصیت سے قوم کی باوجود مخالفت کے لاہور کے اجلاس میں کوئی شورو ہنگامہ نہ پاسکا۔ان صبر آزما حالات میں قرار داد پاکستان منظور ہوئی جو پاکستان کے لئے سنگ میل کی حیثیت رکھتی ہے۔

تاریخ اس ستم ظریفی کو کیسے فراموش کر دے کہ جب جناح یہ اعلان کرتے ہیں کہ:''ہم ایک ایسا خطہ زمین حاصل کرنا چاہتے ہیں جہاں اسلامی مملکت قائم کی جائے''۔

عین اسی وقت رام گڑھ کے مقام پر صدر کانگریس مولانا ابوالکلام آزاد یہ اعلان کرتے ہیں کہ:

''وقت کی ساری پھیلی ہوئی اندھیاریوں میں انسانی فطرت کا ایک ہی روشن پہلو ہے جو مہاتما گاندھی کی عظیم روح کو تھکنے نہیں دیتا''۔

یہ بات یاد رکھنے کی ہے کہ قرارداد پاکستان کی مخالفت صرف کانگریس کی طرف سے ہی نہیں ہوئی بلکہ تمام نیشلسٹ مسلمان مخالفت کر رہے تھے۔

سر سکندر حیات کی یونیسیٹ پارٹی کے سربراہ چھوٹو رام جمیعت العلما اسلام، احرار اور سرخ پوش سب ہی شامل تھے۔ان تمام مخالفتوں کے باوجود ہمت و استقلال کا پیکر چٹان کی طرح کھڑا یہ اعلان کر رہا تھا کہ:

''لاہور کے پلیٹ فارم سے ہی مسلم لیگ نے پاکستان کا مطالبہ پیش کیا اور آج یکم مارچ 1941ء میں اسی پلیٹ فارم سے اعلان کر دینا چاہتا ہوں کہ پاکستان ایک ایسی منزل ہے جس تک پہنچنے سے مسلمانوں کو کوئی طاقت نہیں روک سکتی۔ہندوستان کے براعظم میں پاکستان کے سوا کوئی دستور کامیاب نہیں ہوسکتا۔پاکستان بن کر رہے گا۔''

ہنگامی مخالفتوں کا اثر تو کم ہوتا گیا مگر عالم دین مولانا مودودی کی طرف سے مخالفت کی شدت برقرار رہی۔یہ پہلے کانگریسی تھے۔ایک عرصہ تک نیشلسٹ علماء کے آرگن الجمیتہ کے حلقہ ادارت میں شامل رہے۔انہوں نے تو گاندھی جی کی سوانح عمری بھی مرتب کی تھی۔پھر حیدرآباد دکن چلے گئے اور علامہ اقبال کے پیش کردہ دوقومی نظریہ کی تائید میں مضامین لکھتے رہے۔اس سے مسلم لیگی حلقوں میں قدرے مقبول ہوئے پھر پنجاب آ گئے اور اقبال اور قائداعظم کے تصور پاکستان کی مخالفت میں لکھتے رہے۔جسے بعد میں کتابی شکل ''مسلمان اور موجودہ سیاسی کشمکش''میں پیش کیا۔اس کتاب کے حصہ سوم سے کچھ نمونے پیش کئے جاتے ہیں۔

''یہاں جس قوم کا نام مسلمان ہے وہ ہر قسم کے رطب ویابس لوگوں سے بھری ہوئی ہے۔کیریکٹر کے اعتبار سے جتنے ٹائپ کافر قوموں میں پائے جاتے ہیں اتنے ہی اس قوم میں بھی موجود ہیں''(مسلمان اور موجودہ سیاسی کشمکش جلد سوم ص 166)

''افسوس کہ لیگ کے قائد سے لے کر چھوٹے مقتدیوں تک ایک بھی ایسا نہیں جو اسلامی ذہنیت اور اسلامی طرزِ فکر رکھتا ہو اور معاملات کو اسلامی نقطۂ نظر سے دیکھتا ہو''۔ (جلد سوم ص 37)

''ان لوگوں کی عملی زندگی اور اُن کے خیالات، نظریات، طرزِ سیاست اور رنگِ قیادت میں خوردبین لگا کر بھی اسلامیت کی کوئی چھینٹ نہیں دیکھی جا سکتی''۔ (جلد سوم ص 74)

''مسلمان ہونے کی حیثیت سے میرے اس مسئلہ میں بھی کوئی دلچسپی نہیں کہ ہندوستان میں جہاں مسلمان کثیر التعداد ہیں وہاں اُن کی حکومت قائم ہو جائے''۔ (جلد سوم ص 93)

تاریخ پاکستان میں 46-1945ء کا زمانہ بڑا نازک تھا۔ قائداعظم اپنی انتہائی خراب صحت کے باوجود ملک بھر کے دورے کر رہے تھے اور کہہ رہے تھے کہ ''اگر ہم اس جدوجہد میں ناکام ہو گئے تو برصغیر میں مسلمانوں اور اسلام کا نام و نشان مٹ جائے گا''۔ (قوم سے خطاب 23 مارچ 1945ء)۔

قائد کی جان ناتواں تنہا مخالفتوں کا مقابلہ کر رہی تھی کیونکہ انہیں نصب العین کی صداقت پر یقین محکم تھا۔

جو ہو ذوقِ یقین پیدا تو کٹ جاتی ہیں زنجیریں

اُن کا دعویٰ صاف اور واضح تھا وہ مداہنت کو ہرگز پسند نہ کرتے تھے کیونکہ وہ جانتے تھے کہ

ہزار خوف ہو لیکن زبان ہو دل کی رفیق
یہی رہا ہے ازل سے قلندروں کا طریق

قائداعظم کی زندگی قلب و زبان کی ہم آہنگی تھی۔ اُن کو ہمنوا بنانے کے لئے برطانیہ کے وزیراعظم نے ذاتی ملاقات کی لیکن قائد نے جواب دیا کہ ''اب میں آئندہ آپ سے کبھی نہیں ملوں گا کیونکہ آپ مجھے بکاؤ مال سمجھتے ہیں''۔

وہ اصول پرست انسان تھے۔ مصلحت آمیزی کا شائبہ ہی اُن کے دل میں نہ تھا۔ اُن کی وفات پر لندن ٹائمز نے یوں خراجِ عقیدت پیش کیا کہ: ''انہوں نے اپنی ذات کو ایک بہترین نمونہ پیش کر کے اپنے اس دعویٰ کو ثابت کر دیا کہ مسلمان ایک علیحدہ قوم ہیں۔ اُن میں وہ ذہنی لچک نہیں تھی جو ہندوستانیوں کا خاصہ ہے۔ اُن کے تمام خیالات ہیرے کی طرح قیمتی مگر سخت اور واضح ہوتے تھے۔ اُن کے دلائل میں ہندو لیڈروں جیسی حیلہ سازی نہیں تھی۔ وہ جس نقطۂ نظر کو ہدف بناتے تھے اُس پر براہِ راست نشانہ باندھ کر وار کرتے تھے۔ وہ ایک ناقابلِ تسخیر حریف تھے''۔

قائد کا خیال تھا کہ پبلک لائف میں اخلاقی دیانت پرائیویٹ لائف سے بھی زیادہ اہم ہوتی ہے۔ پرائیویٹ لائف میں بددیانتی سے کسی ایک شخص کو نقصان پہنچتا ہے لیکن پبلک لائف میں بددیانتی سے لاتعداد انسان مجروح ہوتے ہیں اور اس سے ہزارہا ایسے لوگ بے راہ ہو جاتے ہیں جن کا آپ پر اعتماد ہوتا ہے۔

مسلم سٹوڈنٹس کانفرنس 19 مارچ 1944ء میں آپ نے فرمایا:

''ہم مسلم لیگ کے ہلال اور ستارہ کے پرچم کے سوا کوئی پرچم نہیں چاہتے۔ اسلام ہی راہنما بھی ہے اور مکمل ضابطہ حیات بھی۔ ہم کوئی زرد یا سُرخ جھنڈا نہیں چاہتے اور ہم کوئی ازم بھی نہیں چاہتے''۔ (بحوالہ نوائے وقت 23 اپریل 1976ء)

قائداعظم کے جس تدبر اور دیانتدارانہ سیاست کی بدولت پاکستان بن گیا اس کی جھلک آپ کے اس اعلان میں نظر آتی ہے کہ:

''یہ مسلمہ بات ہے کہ پاکستان میں کسی صورت میں بھی تھیوکریسی رائج نہیں ہوگی۔ جس میں حکومت مذہبی پیشواؤں کے ہاتھ دے دی جاتی ہے کہ وہ خدائی مشن (بزعم خویش) پورا کریں۔ (تقاریر قائد بہ حیثیت گورنر جنرل ص 65)

مذہبی پیشوائیت مختلف قسم کے غیر اسلامی تصورات پیش کر دیتی ہے۔ اس سے نوجوان طبقہ اسلام سے برگشتہ ہو سکتا ہے۔ اب کعبہ سے دعا ہے کہ اس مردِ درویش کے پاکیزہ آنسوؤں اور عزمِ صمیم سے پروان چڑھنے والا پاکستان ہر قسم کی بادِ سموم کی تباہکاریوں سے محفوظ رہے۔ کتاب الٰہی بھی یہی کہتی ہے کہ ''اس فتنہ سے محتاط رہو جب اٹھا ہے تو انہیں تک محدود نہیں رہتا۔ جنہوں نے ظلم کی روش اختیار کر رکھی ہو وہ سب کو اپنی لپیٹ میں لے لیا کرتا ہے۔ یاد رکھو خدا کے قانون مکافاتِ عمل کا مواخذہ بڑا سخت ہوتا ہے''۔

فطرت افراد سے اغماض تو کر لیتی ہے
کبھی کرتی نہیں ملت کے گناہوں کو معاف

قرآن مجید میں محکم اور متشابہ آیات کی حکمت

خطبہ جمعہ، فرمودہ ڈاکٹر حامد رحمٰن صاحب بمقام جامع دارالسلام، لاہور

ترجمہ: ''وہی ہے جس نے تجھ پر کتاب اُتاری، اس میں سے (کچھ) محکم آیتیں ہیں جو کتاب کی اصل ہیں اور کچھ اور متشابہ ہیں۔ پھر جن لوگوں کے دلوں میں کجی ہے وہ اس کے پیچھے پڑ جاتے ہیں جو اس میں متشابہ ہیں، فتنہ پیدا کرنے کے لئے اور یہ چاہتے ہوئے کہ اس کی (من مانی) تاویل کریں۔ اور اس کی تاویل کوئی نہیں جانتا سوائے اللہ کے اور ان کے جو علم میں پختہ ہیں۔ وہ کہتے ہیں ہم اس پر ایمان لائے سب ہمارے رب کی طرف سے ہے اور عقل والوں کے سوائے کوئی نصیحت قبول نہیں کرتا''۔ (سورۃ آل عمران:7)

سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے جب کفار نے کہا کہ آپ صلعم سے پہلے جو نبی آئے تھے وہ معجزات دکھاتے تھے تو آپ صلعم کا کیا معجزہ ہے؟ تو اس کے جواب میں حضور صلعم نے فرمایا کہ میرا معجزہ قرآن ہے۔ حضور صلعم کے اس قول کے بارے میں مفکروں نے بعد میں بہت سی تاویلیں کی ہیں۔ کئی نے کہا کہ یہ قرآن معجزہ ہے کیونکہ اس کی عربی بڑے اعلیٰ پایہ کی ہے اور ایسی عربی کوئی اور نہیں لکھ سکتا۔ ہمیں یہاں یہ بات یاد رکھنی چاہیے کہ مکہ کے لوگوں کی جو عربی تھی وہ کوئی بہت اعلیٰ پایہ کی نہ تھی۔ اس وجہ سے کہ مکہ جہاں ایک دینی مرکز تھا وہاں ایک تجارتی مرکز بھی تھا اس لئے وہاں پر باہر کے علاقوں سے قافلے آتے تھے اور جب آپس میل جول ہوتا تھا تو باہر کی زبانوں کے لفظ بھی ان کی زبان میں مل جاتے تھے۔ قرآن کی عربی خالص اور اعلیٰ پایہ کی عربی ہے۔ اس کی ہمیں بہت سی دلیلیں ملتی ہیں جن میں سے دو بیان کرتا ہوں۔ قرآن میں ایک عربی کا لفظ آیا ہے جس کا مطلب ہے ٹھٹھا کرنا۔ یہ لفظ مکہ کے لوگوں کی زبان میں نہ تھا۔ سو انہوں نے سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو چیلنج کیا کہ یہ لفظ عربی کا نہیں ہے۔ اس معاملے کے حل کے لئے ایک عربی دان کو جو مکہ سے دور کہیں پہاڑوں میں رہتا تھا اور اس کا میل جول باہر کے لوگوں سے بہت کم تھا اس لئے اس کی عربی بڑی پختہ تھی۔ جب وہ آیا تو سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم بیٹھے ہوئے تھے۔ تو وہ آ کے آپ صلعم کے پاس بیٹھنے لگا تو آپ صلعم نے فرمایا کہ ادھر نہیں دوسری طرف بیٹھو۔ تو وہ پھر دوسری طرف سے آیا تو آپ صلعم نے فرمایا ادھر نہیں دوسری طرف بیٹھو۔ تو اس نے کہا یا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کیا آپ میرے سے ٹھٹھہ کرتے ہو اور اس نے وہی لفظ استعمال کیا جو کہ قرآن کی وحی میں نازل ہوا تھا۔ اس سے ثابت ہو گیا کہ یہ عربی کا لفظ ہے اور اس طرح سے کفار پر حجت تمام ہوئی۔

یہ یاد رہے کہ قرآن مجید عربی زبان کی پہلی نثر کی کتاب تھی۔ اس سے پہلے صرف شاعری لکھی جاتی تھی۔ عرب میں یہ رواج تھا کہ جو شاعر اپنا کلام لکھتے تھے اور ان کی خواہش ہوتی تھی کہ وہ عرب کے مشہور شاعروں میں اپنے کلام کے مقام کو جانیں تو وہ اپنے کلام کو جا کر خانہ کعبہ کی دیوار پر لٹکا دیتے تھے اور جو ان کا بہت بڑا شاعر ہوتا وہ وقتاً فوقتاً ان کو دیکھ کر ردو بدل کرتا اور ان کا قافیہ وغیرہ ٹھیک کرتا اور ان کے متعلق اپنی رائے بھی دیتا۔ چنانچہ جب قرآن مجید کی سورۃ الکوثر نازل ہوئی تو کسی مسلمان نے اس کو لکھ کر خانہ کعبہ کی دیوار پر حسب رواج لٹکا دیا۔ قرآن شریف کی یہ سب سے چھوٹی سورۃ ہے۔ تو وہ اس وقت کا بڑا شاعر آیا اور بڑی دیر تک اس پر غور کرتا رہا اور غالباً اس نے کوشش کی ہوگی کہ وہ اس میں کوئی درستگی کر سکے لیکن آخر میں مجبور ہو کر اس نے اس کے بارے میں یہ تبصرہ کیا کہ ماھاذا الا قول البشر کہ ''یہ کسی انسان کا کلام نہیں''۔ تو زبان کی فصاحت کے لحاظ سے بھی قرآن ایک معجزہ ہے۔ مفکرین نے یہ لکھا کہ قرآن اس لئے معجزہ ہے کیونکہ یہ لوگوں کے دلوں پر اثر کرتا ہے اور آپ سب لوگ جانتے ہیں

کہ حضرت عمرؓ سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے سخت جانی دشمن تھے لیکن جب انہوں نے بھی قرآن کی چند آیات سنیں تو اُن کی دشمنی محبت میں بدل گئی، اور وہ اپنی جان آپ صلعم کے لئے نچھاور کرنے کے لئے تیار ہو گئے۔ اسی طرح اس کا اثر کفار کے دلوں پر بھی ہوتا تھا۔ اسی لئے کفار کہتے تھے کہ قرآن مجید جادو ہے اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم (نعوذ باللہ) جادوگر ہیں اور قرآن مجید کے ذریعہ وہ جادو کرتے ہیں۔

چونکہ میرا تعلق یونیورسٹی سے ہے اس لئے ایک چیز جو میرے مشاہدے میں آئی وہ یہ ہے کہ کوئی بھی علم ہو اس کے لئے جو بھی کتاب استعمال کی جاتی ہے وہ زیادہ سے زیادہ تین یا چار سال چلتی ہے۔ اس کے بعد اس کا ایک نیا ایڈیشن آجاتا ہے جس کی وجہ سے سلیبس بدلنا پڑتا ہے، اپنے لیکچرز بدلنے پڑتے ہیں کیونکہ اس میں نئی نئی چیزیں، نیا علم جو دریافت ہوتا ہے اس کو ہمیں لیکچرز میں شامل کرنا پڑتا ہے۔

قرآن شریف وہ واحد کتاب ہے جس کا صرف ایک ہی ایڈیشن ہے جو چودہ سو سال پہلے نازل ہوا اور اس وقت سے آج تک وہی ہے۔ اور اس کا معجزہ یہ ہے کہ یہ اُس زمانے کے لوگوں کے لئے نازل ہوئی اور آج کے زمانے اور آئندہ کے زمانے کے لئے بھی یہ کتاب مکمل ہدایت فراہم کرتی ہے، آج بھی ہے اور آخر دن تک رہے گی۔

اب ہم ذرا خیال کریں کہ قرآن مجید کے نزول سے اب تک علم کہاں سے کہاں تک ترقی کر گیا ہے۔ ایک طرف تو عرب کی قوم اپنی جہالت پر فخر کرتی تھی جبکہ آج کل علم بہت زیادہ ترقی کر چکا ہے اور آگے آئندہ کیا ہوگا یہ تو صرف اللہ تعالیٰ ہی بہتر جانتا ہے۔ اس کتاب کو ایک کامل کتاب ہونے کے لئے ضروری تھا کہ اس کی ہدایت اور اس کا علم لوگوں کے لئے ایسا ہو جس کو وہ سمجھ سکیں اور عمل کر سکیں اور آج کل کے جو لوگ ہیں ان کے لئے بھی یہ ایسا علم ہو کہ ہمیں متاثر کر سکے۔ لوگ یہ نہ کہیں کہ یہ دقیانوسی کتاب ہے اس میں جو دلیلیں ہیں وہ پرانی دلیلیں ہیں وہ پرانی ہو چکی ہیں اور اب سائنس نے علم کو بے پناہ ترقی دی ہے۔

اس وجہ سے اللہ تعالیٰ نے جیسے اس آیت میں فرمایا ہے کہ دو قسم کی آیات قرآن میں رکھ دی ہیں۔ ایک وہ آیات جو کہ اس کتاب کا ماخذ ہیں، دین کی بنیاد ہیں، بنیادی قوانین فراہم کرتی ہیں۔ ان کو ''ام الکتاب'' کہا گیا ہے۔ اگر آپ ان پر عمل کریں گے تو یہ ہدایت کے لئے کافی ہیں۔

یہی وجہ ہے کہ رسول اللہ صلعم نے فرمایا کہ دو قسم کے لوگوں کا ایمان بہت پختہ ہوتا ہے۔ ایک وہ جو بڑھیا کی طرح یہ کہتے ہیں کہ قال اللہ و قال الرسول اللہ'' یعنی کہ یہ چیز اللہ اور اس کے رسول نے کہی ہے'' اس سے زیادہ وہ کچھ سننے کے لئے تیار ہی نہیں ہے۔ یہ سب سے نیچی سطح یا عقل کے لوگوں کی مثال ہے اور ان کا ایمان صرف بنیادی آیات پر ہوتا ہے اور وہ اس پر ہی عمل کرتے ہیں۔ اس لحاظ سے ان کا ایمان پختہ ہوتا ہے۔ اور دوسرا آپ صلعم نے فرمایا کہ وہ شخص جو عالم ہے عقل سے اور سوچ کر ایمان لاتا ہے اس کا بھی ایمان بہت پختہ ہوتا ہے۔ پس وہ لوگ جو عقل استعمال کرتے ہیں ان کے لئے بھی قرآن میں ایسا مواد موجود ہے کہ وہ ان کو اپنی طرف متوجہ کرتا ہے۔ اب ایسی کتاب کے لئے کئی چیلنجز تھے جو اس کتاب کو عبور کرنے تھے۔ اول تو یہ کہ قرآن ہمیں ایسے عالم کے بارے میں جو کہ نہ کسی نے دیکھا ہے نہ ہم اس کے بارے میں کوئی تصور بھی کر سکتے ہیں۔ یعنی یہ کہ ہمارے پاس کوئی ریفرنس پوائنٹ ہی نہیں ہے جہاں سے ہمیں اس کے بارے میں ہدایت کا پتہ کر سکیں۔

جبکہ قرآن شریف عالم الغیب کی بات کرتا ہے جس کے بارے ہمارے سامنے کوئی ٹھوس تصور نہیں ہے۔ یہ ایک بڑا چیلنج ہے اس پر بھی قرآن نے بحث کی۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ دو عالم ہیں۔ ایک عالم غیب اور دوسرا عالم ظاہر۔ ان کے درمیان ایک رشتہ اور توازن قائم کیا گیا ہے۔ اس عالم کے بارے میں جاننے کے لئے اِس عالم کی وہ مثالیں دی گئی ہیں۔ آپ یہ سمجھ لیں کہ اگلا جہان جو کہ غیب ہے وہ اس سے ملتا جلتا ہی ہے۔ چنانچہ اس سلسلہ میں قرآن مجید نے بہت سی مثالیں دی ہیں جو کہ مختلف شعبوں سے تعلق رکھتی ہیں اور جن سے انسان کو کچھ اندازہ ہو جاتا ہے کہ اگلا عالم کیسا ہوگا اور اس کے لئے ہمیں کس قسم کی اس

میں ہدایت ہے جس پر چلنے سے اِس عالم میں ہمارا انجام اچھا ہوگا۔

اللہ تعالیٰ نے قرآن میں ایسی آیات رکھی ہیں جو کہ متشابہ ہیں جس میں کہ اللہ تعالیٰ نے مثالیں دی ہیں کہ اس جہاں میں اعمال کے نتائج کی کیا کیفیت ہوگی اور کس طریقے سے انسان اگلے جہان کے بارے میں حتی الامکان طریق پر جان سکتا ہے۔ دلائل اور مثالوں کا ایک زبردست ذخیرہ اس کتاب کے اندر ہمیں دے دیا گیا ہے مگر اس کو سمجھنے کے لئے جس چیز کی ضرورت ہے وہ عقل ہے۔اسی لئے قرآن میں جگہ جگہ پر آتا ہے کہ **افلا تدبرون ، افلا تعقلون ، افلا تفکرون** کہ تم کیوں نہیں عقل سے کام لیتے ،تم کیوں نہیں فکر کرتے ،تم کیوں نہیں غور کرتے۔

اس سلسلہ میں قرآن مجید حضرت ابراہیم علیہ السلام کے طریق استدلال کی تفصیل بیان کرتا ہے۔اس کو ہم سنت ابراہیمی کا نام دیتے ہیں کہ آپ ہر چیز کے بارے میں سوال کریں ، چیزوں کو سمجھنے کی کوشش کریں اور عقل سے کام لیں۔اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیمؑ کے بارے میں فرمایا:

''اور جب ابراہیمؑ نے کہا اے میرے رب مجھے دکھا تو کس طرح مردوں کو زندہ کرتا ہے''۔اب حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ میں مردوں کو زندہ کروں گا۔تو وہ سوال کررہے ہیں کہ تو کس طرح سے زندہ کرتا ہے؟ تو اللہ تعالیٰ نے کہا، کیا تو نہیں مانتا تو انہوں نے کہا کہ میں مانتا ہوں مگر میرے دل کو بھی اطمینان حاصل ہونا چاہیے یعنی کہ مجھے پوری طریقے سے اس بات کی سمجھ آجانی چاہیے کہ یہ کس طریقے سے ہوتا ہے۔فرمایا تو چار پرندے لے پھر انہیں اپنے ساتھ ہلا لے پھر ان میں سے ایک ایک کو ہر مختلف پہاڑ پر رکھ دے ، پھر ان کو بلا تو یہ تیرے پاس اڑتے ہوئے آجائیں گے۔اور جان لے کہ اللہ غالب حکمت والا ہے۔

تجربے کا نتیجہ دیکھو اور اس سے اخذ کرو کہ اس سے کیا رہنمائی ملتی۔حضرت ابراہیم علیہ السلام کا پرندوں کو ہلا لینا کچھ عجیب سی بات لگتی ہے مگر دو تین دن پہلے ٹیلی ویژن پر ہم دیکھ رہے تھے کہ UAE میں باز اُڑانے کا مقابلہ ہو رہا تھا۔باز کو ہوا میں اُڑایا جاتا ہے لیکن جب اس کا مالک اس کو واپس بلانا چاہے تو وہ اس کو اشارہ کرتا ہے اور باز واپس اپنے مالک کی انگلی پر آکر بیٹھ جاتا ہے۔یہ کوئی ایسی انوکھی مثال نہیں ہے۔یہ نظارے ہم آج کل بھی دیکھتے ہیں۔

اسی طریق پر حضرت ابراہیمؑ جب اللہ تعالیٰ کے بارے میں دلیل سوچ رہے تھے تو انہوں نے کہا کیا یہ ستارہ میرا خدا ہے؟ انہوں نے دیکھا کہ نہیں یہ ستارہ غروب ہو چکا ہے یہ تو خدا نہیں ہوسکتا۔تو یہاں وہ مشاہدہ سے کام لینے کی کوشش کررہے ہیں۔یہ ایک بڑی بات ہے۔جس پر قرآن نے بڑا زور دیا ہے اور یہی علم حاصل کرنے کا اہم ذریعہ ہے جس نے عربوں جیسی قوم کو جو کہ اپنی جہالت پر فخر کرتے تھے۔ان کو نئے علوم کے موجد بنا دیا۔اس سلسلے میں لندن جماعت کے اخبار ''لائٹ'' کا تازہ شمارہ پڑھ رہا تھا اس میں ایک مضمون پروفیسر کے ایس ، راما کرشنا راؤ کا ''محمد صلعم کے بارے میں'' ہے جو کہ ڈیپارٹمنٹ آف فلاسفی کے ہیڈ ہیں۔لکھتے ہیں:

''قرآن میں ایسی آیات جو قانون قدرت پر غور کرنے کی طرف مدعو کرتی ہیں کہیں زیادہ ہیں ، بہ نسبت ان آیات کے جو نماز ، روزہ ، حج وغیرہ کا حکم دیتی ہیں۔اس سے متاثر ہو کر مسلمانوں نے بڑی سنجیدگی سے قدرت پر غور کرنا شروع کر دیا اور اس طرح سے انہوں نے سائنس میں نئی جہت دریافت کیں۔جس کی بنیاد مشاہدے اور تجربے پر تھی اور جس سے یونانی لاعلم تھے۔مثال کے طور پر مسلمان ماہر نباتات ابن بطار نے ساری دنیا سے پودے جمع کر کے نباتات پر لکھا۔اور البیرونی نے 40 سال سفر کر کے مختلف معدنیات کے نمونے جمع کئے۔اور مسلمان فلکیات دانوں نے نظام فلکی کا مشاہدہ 12 سال سے زیادہ کیا۔ارسطو نے بیالوجی پر لکھا اور بڑی غیر ذمہ داری سے کہا کہ انسانوں کے دانت حیوانوں سے زیادہ ہوتے ہیں اور اتنی بھی تکلیف نہیں کی کہ دانت گن لیتا حالانکہ یہ ایسی حقیقت تھی جو آسانی سے دریافت کی جاسکتی تھی۔ایسی کئی اور مثالیں دے کر رابرٹ بر فالٹ اپنی شہرت یافتہ کتاب The Making of Humanity میں لکھتے ہیں: ''عربوں کا قرضہ سائنس پر چونکا دینے والے انکشافات یا انقلابی نظریہ تھیوری پر مبنی نہیں ہے بلکہ سائنس اس سے بہت زیادہ عرب تہذیب کی مقروض ہے۔اس کا وجود عرب تہذیب کی وجہ سے قیام میں آیا''

وہ قوم جو اپنی جہالت پر فخر کرتی تھی وہ سائنس اور تہذیب کی لیڈر بن گئی۔

یہی چیز ہمیں امام وقت حضرت مسیح موعودؑ نے سکھائی ہے کہ آپ ہر چیز پر غور وفکر کریں۔ اس سلسلے میں آپ سب جانتے ہیں کہ حضرت مسیح موعودؑ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو بن باپ مانتے تھے مگر ان کے شاگرد اور ماننے والے ایسے بھی تھے جو کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو باباپ مانتے تھے۔ حضرت مسیح موعودؑ کے ایک مرید جہلم کے قمرالدین صاحب گھڑی ساز کا بھی یہ عقیدہ تھا جو وہ زور شور سے بیان کیا کرتے تھے۔ لوگوں نے حضرت مسیح موعودؑ کو شکایت کی کہ قمرالدین صاحب آپ کے اس موقف سے اختلاف کرتے ہیں اور وہ اس کے ثبوت میں قرآن مجید کی آیات پیش کرتا ہے۔ چنانچہ جب قمرالدین صاحب قادیان آئے تو حضرت مسیح موعودؑ نے اس بارے میں پوچھا تو انہوں نے قرآن کی آیات پیش کیں۔ حضرت صاحب نے فرمایا ماشاءاللہ آپ کے دلائل بہت وزن رکھتے ہیں مگر کیونکہ مجھے اللہ کی طرف سے اس بارے میں کچھ علم نہیں دیا گیا۔ اس وجہ سے میں وہی عقیدہ رکھوں گا جو کہ عام لوگوں کا ہے۔ تو ہم دیکھتے ہیں کہ ایک گھڑی ساز قرآن کی آیات نکال کر حضرت مرزا صاحبؒ کو پیش کرتا ہے اور وہ قبول کر لیتے ہیں کہ آپ کے دلائل تو واقعی بہت قوی ہیں مگر کیونکہ مجھے اللہ کی طرف سے حکم نہیں ہوا، اس لئے میں یہ نہیں مان سکتا۔ اس لئے ہمیں یہ چاہیے کہ ہم ہمیشہ عقل سے کام لیں۔ قرآن مجید کے معجزات ختم ہونے والے نہیں۔ اگر ہم یہ سمجھیں کہ مولانا محمد علی رحمتہ اللہ علیہ کی قرآن مجید کی تفسیر بہت اچھی ہے اس میں جو لکھا ہے اس سے آگے کچھ نہیں ہے تو پھر ہماری بھی وہی حالت ہو جائے گی جو کہ ان لوگوں کی ہوئی جنہوں نے کہا کہ اب اجتہاد کا دروازہ بند ہو رکھا ہوا ہے۔ قرآن مجید خدا کا کلام ہے اور وقت کے ساتھ اس میں نئی نئی چیزیں، نئے علمی نکات اور انکشافات ہوتے رہیں گے۔ امام وقت کے پیرو ہونے کی وجہ سے ہمیں چاہیے کہ ہم ہمیشہ اپنا ذہن قرآن کی آیات پر غور کرنے پر لگائیں اور جن آیات کے زیادہ بہتر اور نئے مطلب نکلتے ہیں جو کہ قرآن کے مطابق ہیں ان کو دوسروں تک پہنچائیں۔ تاکہ اس کی ابدی حقیقتوں سے ہماری فکر وعمل میں تازگی قائم رہے۔

آیئے ہم سب مل کر دعا کریں کہ اللہ تعالیٰ ہمیں قرآن کو پڑھنے، سمجھنے اور اس پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ مسلمانوں پر اور اسلام پر اپنا فضل فرمائے۔ مسلمان جو جہالت کے اندھیرے میں پھنس گئے ہیں ان کو اس اندھیرے سے نکال کر قرآن کے حقیقی نور سے منور کر دے۔ اللہ اسلام کا دنیا میں بول بالا کرے۔ جس مقصد کے لئے ہماری جماعت قائم ہوئی ہے کہ تیرے دین کو دنیا میں پھیلائیں اس میں ہماری جماعت کو کامیابی عطا فرما اور ہمیں توفیق عطا کر کہ ہم اس کام میں حسب توفیق حصہ بھی لے سکیں۔ آمین

استقبالیہ تقریب

یکم مارچ 2015ء بروز اتوار مقامی جماعت کی طرف سے جناب عثمان نذیر صاحب کو جنرل سیکرٹری مرکزیہ مقرر ہونے پر استقبالیہ دیا گیا۔ مقامی جماعت کے نائب صدر میجر (ر) اعجاز الحق بٹ صاحب نے رُوح پرور درسِ قرآن دیا۔ احباب کی کثیر تعداد نے شرکت کی جس میں مرد و زن اور چھوٹے بڑوں نے پُر جوش طریقہ سے جامع کو رونق بخشی۔ مقامی جماعت کے صدر چوہدری ناصر احمد صاحب نے باہمی رابطہ پر زور دیا اور شبان اور تنظیم خواتین کے کردار کو مزید فعال ہونے کی ضرورت پر زور دیا۔ جماعت کی ترقی و استحکام کے لئے دردِ دل سے دُعا کی گئی۔ آخر پر احباب کو کھانا پیش کیا گیا۔

منجانب

مقامی جماعت لاہور

الوداعی تقریب

مرکزی تنظیم خواتین کی طرف سے مورخہ 15 مارچ 2015ء بروز اتوار محترم مرزا مسعود بیگ (مرحوم) کی بیگم اور بیٹی طاہرہ صاحبہ جو کہ پاکستان آئی ہوئی ہیں۔ شام کی چائے پر بلایا گیا۔ نہایت پُر تکلف چائے کے ساتھ مختصر انداز میں بیگم مرزا مسعود بیگ اور بیٹی سے تعارف ہوا اور مرزا مسعود بیگ صاحب کی خدمات کا اعتراف کیا گیا۔ بیٹی اور بیگم صاحبہ کی مصروفیات سن کر اُن کو سراہا گیا اور اُنہیں رخصت کیا گیا۔

پروین چوہدری صاحبہ

زندگی کے بارے میں مذہبی اور مادی رویوں میں فرق

محی الدین (واعظ وزیر آباد)

ابتدائے آفرینش ہی سے انسان دو قوتوں کے زیر اثر اپنی زندگیاں گذارتے چلے آئے ہیں۔ یہ دونوں قوتیں دو مختلف سمتوں میں انسان کی رہنمائی کرتی آئی ہیں۔ ان میں سے ایک مذہبی اور دوسری مادی رویہ ہے۔ مذہب اور مادیت کے یہ رویے ہمیشہ ہی سے ایک دوسرے کے برسرِ پیکار نظر آتی ہیں۔

مادیت کا تعلق مادہ یعنی جسمانیت اور جسمانی خواہشات سے ہے۔ مادیت انسان کو ذاتی منفعت، خود پرستی، خود غرضی اور بے رحمی کا سبق پڑھاتی ہے۔ جبکہ اس کے برعکس مذہب انسان کو رحم دلی، احساس انسانیت، بے غرضی، ہمدردی اور درمندی جیسے اوصاف پیدا کرنے اور ان کو عملی جامہ پہنانے کی تعلیم دیتا ہے۔ مادیت کی ظاہری چمک دمک انسان کی آنکھوں کو چندھیاتی تو ضرور ہے لیکن وہ ہمیشہ اطمینان وسکون کی دولت سے محروم رکھتی ہے۔ مادیت عیش و عشرت کے سامان حاصل کرنے کے رجحان کو رواج دیتی ہے جو سکون قلب چھین لیتی ہے۔ اس مادیت کے ہاتھوں انسان چین سے محروم ہو جاتا ہے اور بعض اوقات نفسیاتی امراض کا شکار ہو جاتا ہے لیکن مذہب کے پیروکار ہمیشہ قناعت پسند، اطمینان اور انسانی ہمدردی سے متصف ہوتے ہیں۔ لیکن یہ بات بھی وضاحت طلب ہے کہ مادیت اور مذہب سے مراد کیا ہے؟

مادیت سے مراد یہ ہے کہ خدا یا اس کی ہدایت کو بھول کر سب کچھ اس دنیا کو ہی جاننا اور ساری کوششوں کا حاصل اسی دنیا کو سمجھ لینا اور جسمانی خواہشات کا ضرورت کی حد سے بڑھ جانا اور ان کے حصول کے لئے ہر جائز وناجائز ذرائع کا استعمال ہے۔ ضروریات کی تکمیل کے لئے سعی وکوشش بذریعہ جائز ذرائع قطعاً مادیت کے ذمرے میں نہیں آتے بلکہ دین اسلام تو بذاتِ خود فی الدنیا حسنۃ کی دعا سکھاتا ہے۔ لیکن جب محض مادیت کا حصول ہی مقصود ہو تو انسان ہر حد کو پھلانگنے سے گریز نہیں کرتا۔ مادیت کبھی تو اقتدار کی ہوس بن کر، کبھی قصرو محلات کی خواہش بن کر اور کبھی مال ودولت کی آرزو بن کر قلب انسانی کو اسیر کر لیتی ہے۔

مذہب سے مراد وہ راستہ اور طریق زندگی ہے جو خالق کائنات نے انسان کے لئے وحی کی وساطت سے مقرر فرمایا ہے اور جس میں انسان کے لئے زندگی کے تمام پہلوؤں کی رہنمائی موجود ہے۔ جو مختلف صورتوں میں انبیاء سابقین کی تعلیمات میں اور کامل اور ارفع صورت میں دین اسلام میں نظر آتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کی عقلی بالیدگی اور فہم کو مدنظر رکھتے ہوئے ارتقائی انداز میں مختلف انبیاء کی وساطت سے دنیاوی اور اُخروی فوز وفلاح کی رہنمائی انسانوں تک پہنچائی اور قرآن کی شکل میں اس کو کامل کر دیا۔

اس مذہب کا نام اسلام ٹھہرا جو آدم علیہ السلام سے شروع ہوا اور محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم پر کامل ہو گیا۔ دین اسلام نے مادیت کے بالمقابل فطرتِ انسانی کی صحیح نشوونما کے لئے تمام ضرورتوں کو مدنظر رکھتے ہوئے دین ودنیا میں توازن قائم کیا۔ لیکن تاریخ عالم کا عمیق مطالعہ اس بات پر سے بھی پردہ اُٹھاتا ہے کہ اکثر اوقات مادیت کے پجاری مذہب کا لبادہ اوڑھ کر حرمتِ انسانیت کو پامال کرنے کے درپے رہے ہیں۔ نفس کے یہ غلام مذہب کو اپنی ذاتی اغراض کی تکمیل کے لئے استعمال کرتے رہے ہیں اور کر رہے ہیں۔ یہ مادیت پرست مذہب کے نام پر انسانوں کے درمیان نفرت، بغض، کینہ کے بیج بوتے ہیں اور مذہب کی آڑ میں فتنہ وفساد برپا کرنے کا موجب بنتے ہیں۔ حالانکہ دنیا کا کوئی مذہب بھی فتنہ وفساد اور انسانیت سے عداوت وبیر کی تعلیم نہیں دیتا۔

مذہب اگر تیر، تفنگ اور تلوار اُٹھانے کی کبھی اجازت دیتا ہے تو صرف اور

صرف فساد، تباہی اور فتنہ انگیزی کو روکنے کے لئے اور دشمن عناصر کا قلع قمع کرنے کے لئے ۔اگر حضرت موسیٰؑ ، حضرت سلیمانؑ ، کرشن ، رام چندر اور حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے تلوار اٹھائی تو انسانیت اور امن کی حفاظت کے لئے نہ کہ انسانوں کو قتل و غارت اور ان کے استحصال کے لئے۔

اللہ تعالیٰ نے تو ہمیشہ انسانوں میں محبت ، اُلفت ، ہمدردی اور خیر خواہی کے جذبات کی آبیاری کے لئے حضرت نوحؑ ، ابراہیمؑ ، لوطؑ اور عیسیٰؑ جیسے شفیق اور محبت کا درس دینے والے انبیاء کو مبعوث کیا لیکن جب قوم کے صاحب اختیار لوگوں نے مادیت کی پیروی میں اخلاقیات کو بالائے طاق رکھ دیا اور فساد کا موجب بنے تو خدا تعالیٰ کی ذات نے جلالی صفات کے حامل انبیاء اور صلحاء کو وقتاً فوقتاً نیکی اور بھلائی کی راہ ہموار کرنے کے لئے مبعوث فرمایا اور اپنے آخری نبی حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو معاشرتی توازن پیدا کرنے کے لئے بھیجا۔

محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات کو مذہب کی بجائے ''دین'' (یعنی مکمل ضابطہ حیات) کہا گیا اور اس دین کا نام اسلام رکھا گیا جس کا مطلب ہی امن و سلامتی ہے ۔اس کے پیروکاروں کو ''مسلم'' کا نام دیا گیا (یعنی امن کو چاہنے اور اس کی راہ پر چلنے والے)۔ دین اسلام تمام مذاہب کا جامع ہے۔ اسلام کی اگر مختصر الفاظ میں تعریف کی جائے تو اسلام نام ہے **''اطاعت لامر اللہ اور شفقت علی خلق اللہ'' یعنی اللہ کے احکامات پر عمل اور انسانوں کی بھلائی کرنے والے''۔**

اسلام جہاں خدا کے احکامات کی پیروی اور اطاعت کا درس دیتا ہے وہاں مخلوق خدا سے شفقت کو بھی لازمی قرار دیتا ہے ۔ دوسرے لفظوں میں اسلام جہاں حقوق اللہ کو پورا کرنے کو کہتا ہے وہاں حقوق العباد ادا نہ کرنے والوں کی باز پرس بھی کرتا ہے ۔ اسلام صرف ظاہری وضع قطع اختیار کرنے اور ماتھوں کو محرابوں سے سجانے کا نام نہیں ، اسلام تو افراط و تفریط سے بچتے ہوئے عدل کی راہ کو اختیار کرنے کا نام ہے۔

اسلام کا خدا تلوار کے ذریعہ قتل و غارت کو پسند نہیں کرتا ۔ وہ اگر خوش ہوتا ہے تو صرف اور صرف عدل قائم کرنے اور خدمت انسانیت کرنے والوں سے ، وہ محتاجوں ، یتیموں ، بیواؤں ، مفلسوں اور حالات کے ماروں کی خبر گیری کرنے والوں کو محبوب رکھتا ہے۔

اس خدا کے نزدیک نیکی کا تصور کچھ یوں ہے :

''بڑی نیکی یہ نہیں کہ تم اپنے مونہوں کو مشرق اور مغرب کی طرف پھیرو لیکن بڑا نیک وہ ہے جو اللہ اور آخرت کے دن اور فرشتوں اور کتاب اور نبیوں پر ایمان لائے اور اس کی محبت کے لئے قریبیوں اور یتیموں اور مسکینوں اور مسافروں اور سوالیوں کو اور غلام آزاد کرنے میں ، اور مال دے اور نماز قائم کرے اور زکوٰۃ دے اور اپنی اقرار کو پورا کرنے والے جب وہ اقرار کریں اور صبر کرنے والے تنگی اور تکلیف میں اور مقابلہ کے وقت یہی وہ لوگ ہیں جنہوں نے سچ کر دکھایا اور یہی متقی ہیں۔''

وہ اپنے پیروکاران کو گردانتا ہے جو انسانیت کی فلاح کے لئے دن کو کوششوں میں مصروف رہتے ہیں اور راتوں کو اپنی کوششوں کے ثمر کے لئے اس قادر خدا کے آگے گڑگڑاتے اور دعا کرتے ہیں ۔ ان کے کردار کا نقشہ اللہ کی کتاب میں اس طرح آتا ہے :

''اور رحمان کے بندے وہ ہیں جو زمین پر انکساری سے چلتے ہیں اور جب جاہل انہیں خطاب کرتے ہیں تو کہتے ہیں سلام'' (یعنی وہ جاہلوں کو بھی امن کا ہی پیغام دیتے ہیں) ''اور وہ جو راتیں گذارتے ہیں اپنے رب کے آگے سجدہ کرتے اور کھڑے ہو کر۔ اور وہ جو کہتے ہیں اے ہمارے رب ہم سے دوزخ کا عذاب ہٹا دے کیونکہ اس کا عذاب بھاری مصیبت ہے۔ وہ (تھوڑا) ٹھہرنے کے لئے اور (ہمیشہ) رہنے کے لئے بُری جگہ ہے۔ اور وہ جو جب خرچ کرتے ہیں نہ بیجا خرچ کرتے ہیں اور نہ (موقع پر تنگی) کرتے ہیں۔ اور (ان کا خرچ) ان (دونوں حالتوں) کے درمیان اعتدال پر ہے۔ اور وہ جو اللہ کے ساتھ دوسرے معبود۔۔۔۔ کو نہیں پکارتے اور کسی جان کو جسے اللہ نے حرام کیا ہے قتل نہیں کرتے سوائے اس کے کہ انصاف چاہیں اور نہ زنا کرتے ہیں اور جو

کوئی ایسا کرے وہ (اپنے) گناہ کی سزا پائے گا۔“

(سورۃ الفرقان آیت 63 تا 68)

اوران فلاح یافتہ مومنین کے لئے اللہ تعالیٰ مزید فرماتا ہے:

”اور مومن یقیناً کامیاب ہیں جو اپنی نمازوں میں عاجزی کرنے والے ہیں اور جو لغو سے منہ پھیرنے والے اور پاکیزگی کے لئے کام کرنے والے ہیں۔اور جو اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کرنے والے ہیں ۔۔۔۔۔اور جو اپنی امانتوں اور اپنے عہد کا پاس رکھنے والے ہیں اور جو اپنی نمازوں کی محافظت کرنے والے ہیں۔یہی وارث ہیں جو فردوس کو ورثہ میں لیتے ہیں اسی میں رہیں گے“(سورۃ المومنون آیت 1 تا 11)

ان آیات سے پتہ چلتا ہے کہ اسلام کا خدا انسان کی شخصیت کو ایسا بنانا چاہتا ہے جو اپنے اندر خدا کی محبت کے حصول کے لئے مخلوق خدا سے محبت کا راستہ اختیار کرلے۔دوسرے لفظوں میں اسلام انسان میں دوقسم کے اُنس پید اکرنا چاہتا ہے ایک خدا سے اُنس اور دوسرا مخلوق خدا سے اُنس اور جو ان دونوں اُنسوں کو حاصل کرنے کو زندگی کا وطیرہ بنالیتا ہے وہی انسانیت کے معراج کو حاصل کرتا ہے۔اس کے علاوہ جو بھی ظلم و بربریت کی راہ اختیار کیے ہوئے کہتا ہے کہ وہ خدا کے مذہب اور دین کا داعی ہے تو وہ یادرکھے کہ وہ مذہب یا دین کا پیروکار نہیں بلکہ ذاتی منفعت کا غلام اور مادیت کا پروردہ ہے کیونکہ وہ نفس کی خواہشات کی تکمیل کے لئے مذہب کی آڑ لیتا ہے اور دنیا کا کوئی بھی مذہب جو دعویٰ کرتا ہے کہ وہ خدا کی جانب سے ہے اور معصوم انسانوں کے خون سے ہولی کھیلنے اور کمزور کو کچلنے کا کہے وہ مذہب خدا کی جانب سے نہیں ہوسکتا بلکہ وہ انسانی خواہشات کی پیروی کا نتیجہ ہے۔اسلام ہی وہ واحد مذہب ہے جو اپنی اصلی حالت میں موجود ہے اور مادیت کے شکنجے سے انسانوں کو محفوظ راہ کی طرف راہنمائی کرتا ہے۔پس ضرورت اس امر کی ہے کہ اس کی اصل روح کو حاصل کر کے زندگی کو اس ڈگر پر چلایا جائے۔

☆☆☆☆

بقیہ: الوداعی تقریب

وقاص احمد صاحب نے عامر صاحب کی زندگی کے حالات جس انداز میں پیش کیے۔عامر صاحب نے اپنے جوابی تقریر میں ان کا شکریہ ادا کیا اور اپنی زندگی کے ان چند واقعات سے نقاب کشائی کی کہ کس طرح انسان منصوبے بناتا ہے لیکن اللہ تعالیٰ کو کچھ اور ہی منظور ہوتا ہے۔انہوں نے بتایا کہ ان کی بڑی خواہش تھی کہ وہ ڈاکٹر بنیں اور گھر کے لوگ بھی اس پر بے حد خوش تھے لیکن ایف ایس سی کے امتحان کے دوران ایک ایسا دلخراش واقعہ پیش آیا کہ ان کا یہ خواب پورا نہ ہوسکا اور حالات نے ان کو ڈاکٹر سے استاد بننے کی راہ پر ڈال دیا۔

طبی میدان میں ذہنی صلاحیتوں کو استعمال کرنے کی بجائے عامر صاحب ادب اور دینی میدان کے استاد اور خطیب بن گئے۔انہوں نے اُردو، انگریزی اور عربی میں دسترس حاصل کرنے میں بھرپور کوشش کی اور کافی حد تک اس میں کامیاب ہیں۔

جب سے ان کا جرمنی جانے کا پروگرام بنا ہے۔انہوں نے جرمنی زبان کے سیکھنے میں کافی وقت صرف کیا ہے۔اب جبکہ وہ اپنا بیشتر وقت برلن میں گذاریں گے۔ہماری دعا ہے اور یقین بھی ہے کہ ان کو جرمن زبان میں بھی بولنے اور لکھنے کا محاورہ ہوجائے گا۔

اس الوداعی تقریب کے آخر میں حضرت امیر ایدہ اللہ تعالیٰ نے اپنے مختصر خطاب میں عامر عزیز صاحب کی علمی قابلیت کو بے حد سراہا اور بحیثیت جنرل سیکرٹری کے ان کی خدمات کا نہ صرف اعتراف کیا بلکہ یہ بھی کہا کہ ”میں نے برلن مسجد میں تبلیغ کے کام کی اہمیت کے پیش نظر عامر عزیز صاحب کا جانا منظور کیا ہے ورنہ وہ میرے ایک بہترین معاون اور سفر کے ساتھی تھے“۔انہوں نے عامر عزیز صاحب کے اس اہم تبلیغی مشن کی کامیابی کے لئے دعا کی اور مکمل حمایت اور حوصلہ افزائی کا یقین دلایا۔

قرآن مجید کی پُر حکمت اور آفاقی تعلیمات میں ہی انسانیت کی نجات ہے

احمد مرتضیٰ (واعظ ملتان)

ترجمہ: ”بے شک آسمانوں اور زمین کی پیدائش میں اور رات اور دن کے اختلاف میں عقل والوں کے لئے نشان ہیں جو اللہ تعالیٰ کو کھڑے اور بیٹھے اور اپنی کروٹوں پر یاد کرتے ہیں اور آسمانوں اور زمین کی پیدائش میں فکر کرتے ہیں۔ ہمارے رب تو نے اسے بے فائدہ پیدا نہیں کیا۔ تو پاک ہے پس ہمیں آگ کے عذاب سے بچا۔“ (3:190-191)

ان آیات میں عظیم الشان حقیقت کی طرف توجہ دلائی گئی ہے کہ جس قدر مخلوق جو آسمان اور زمین میں نظر آتی ہے یا وہ اوقات زمانہ جو انسانوں پر گذرتے ہیں ان پر غور کرنے والے اس نتیجہ پر پہنچیں گے۔ ربنا ماخلقت هذا باطلا، اے ہمارے رب! یہ جو کچھ تو نے پیدا کیا ہے، باطل نہیں اور بے حقیقت نہیں ہے۔ دنیا میں جس قدر علوم کا انکشاف ہوا ہے، جس قدر کامیابیاں انسان نے حاصل کی ہیں۔ سب ہی اس حقیقت پر پہنچتے ہیں کہ ”اے ہمارے رب! یہ جو کچھ تو نے پیدا کیا ہے“۔ اس میں کوئی بھی چیز بے کار نہیں بلکہ سب ایک دوسرے سے ایک ربط اور نظم میں منسلک ہیں اور ایک دوسرے کی نشو و نما اور بقا کے لئے سرگرم ہیں۔ دوسرے لفظوں میں ایک دوسرے کے محتاج ہیں۔ اگر غور کریں تو ہم نے جس قدر بھی طاقت یا تصرف حاصل کیا ہے مثلاً پانی، آگ، ہوا اور بجلی۔ یہ صرف غور و فکر کا نتیجہ ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے کسی مچھر یا مکھی کو بھی بے کار پیدا نہیں کیا۔ تو کائنات جو اتنی زبردست قوتوں اور وسائل لئے ہوئے ہے اس کو یونہی پیدا نہیں کیا۔ غور کرنے والے انسان نے پانی، بجلی اور دیگر قدرتی وسائل سے نہ صرف زبردست طاقت پیدا کر لی ہے بلکہ ان کے ذریعہ نئی نئی ایجادات کا انبار لگ گیا ہے، ان چیزوں سے جو کام لئے جاتے ہیں وہ عقل کو حیران کر دیتی ہیں۔ اس سے ہی ثابت ہوتا ہے کہ خدا کی مخلوق میں کوئی بھی چیز بے فائدہ پیدا نہیں ہوئی!

قرآن کریم دنیوی علوم کی طرف بھی توجہ دلاتا ہے تاکہ اس دنیا میں اعمال کے نتائج اور اُخروی زندگی میں اس کے ملنے والے ثمرات کا اندازہ ہو سکے۔ تعجب ہے کہ قرآن مجید ایک مذہبی کتاب ہو کر جس کا مقصد انسانوں کو خدا تک پہنچانا ہے، وہ دنیوی علوم اور دنیوی ترقیات حاصل کرنے کی طرف بھی توجہ دلاتی ہے اور اسی اصول کے ماتحت ربنا ماخلقت هذا باطلا سے لامتناہی ترقیات کا ایک دروازہ کھولتی ہے۔ دنیا کی بہت سی ترقیات اسی اصول کو پیشِ نظر رکھنے سے ہوئی ہیں اور آئندہ معلوم نہیں کس قدر عظیم الشان ترقیات اشیاء عالم پر غور کرنے سے پیدا ہوں گی۔!

عجیب بات ہے کہ وہ لوگ جو سائنسدان کہلاتے ہیں اور ان مادی وسائل سے فائدہ اٹھاتے ہیں۔ ان کی توجہ ربنا ماخلقت هذا باطلا کی طرف بہت کم جاتی ہے۔ بے شک اپنے اپنے دائرہ عمل میں جو چیزیں ان کے سامنے آئیں، ان سے انہوں نے فائدہ اٹھایا لیکن جس وسعت کے ساتھ قرآن کریم نے اس کو بیان کیا ہے۔ کسی سائنسدان کی نظر اس پر نہیں گئی۔ ورنہ مذہب بھی ایک سائنس ہے اور اگر اس حقیقت کو مدِ نظر رکھ کر کیا جاتا تو اس میں بہت وسیع فوائد انہیں نظر آ جاتے۔

کسی مذہبی رہنما کا ظاہر ہونا ایک اتفاقی امر نہیں۔ دیکھئے جس طرح مختلف واقعات پر انسان غور کر کے ایک نتیجہ اخذ کر لیتا ہے اور پھر اس سے طرح طرح کے فوائد اٹھاتا ہے۔ اسی طرح روحانیت بھی غور کی محتاج ہے۔ بہت لوگ

ہیں جنہیں جاہل ہی کہا جائے گا جو یہ سمجھتے ہیں کہ کسی مذہبی رہنما کا ظاہر ہونا یا اس کا دنیا میں ایک انقلاب پیدا کرنا محض ایک اتفاقی امر ہے۔ ایک بادل کا آنا، ایک ہوا کا چلنا، یہ تو معلوم ہو گیا کہ اتفاق نہیں۔ ہاں ایک زمانہ تھا جب انسان اپنی لاعلمی کی وجہ سے ایسا خیال کرتا تھا۔ مگر وہ خیال آج غلط ثابت ہو گیا اور یہ ثابت ہو گیا ہے کہ یہ کوئی اتفاقی بات نہیں، بلکہ ان کا بننا اور پھر مختلف جگہوں پر برسنا مختلف اسباب اور تاثرات کا نتیجہ ہوتے ہیں۔ اسی طرح ہواؤں کا چلنا ہے۔ آندھیوں کا آنا ہے۔ دوسری جگہ قرآن کریم نے اس کی طرف توجہ دلائی ہے۔

ترجمہ: ''اور ہواؤں کے ہیر پھیر میں اور بادل میں جو آسمان اور زمین کے درمیان کام میں لگایا گیا ہے، ان مومنوں کے لئے یقینی نشان ہیں جو عقل سے کام لیتے ہیں''۔ (2:164)

اسی طرح روحانی امور کا حال ہے۔ یہ بھی بعض پوشیدہ اسباب کے نتائج کی وجہ وقوع پذیر ہوتے ہیں۔ بھلا یہ اتفاقی بات ہو سکتی ہے کہ ایک شخص اٹھتا ہے، ایک ملک کے ملک کی ذہنیت کو بدل دیتا ہے۔ کس قدر عظیم الشان کام ہے! ایک انسان کے خیالات کو بدلنا مشکل ہوتا ہے۔ ایک باپ اپنے بیٹے کے خیالات اور ذہنیت کو بدلنا چاہتا ہے لیکن نہیں بدل سکتا ہے۔ مگر وہ روحانی آدمی، جو خدا کی طرف سے کھڑا ہوتا ہے وہ کروڑ ہا انسانوں کے خیالات اور ان کی ذہنیتوں کو بدل کر کچھ کا کچھ بنا دیتا ہے۔ کیا یہ یونہی اتفاق سے ہو گیا؟ نہیں۔ اگر غور کر کے دیکھا جائے تو یہ بھی کئی پوشیدہ اسباب کا نتیجہ ہے ہاں! اس میں شک نہیں کہ یہ اس سے بھی زیادہ مخفی عالم ہے اور اس کے اسباب اس سے بھی زیادہ پوشیدہ ہیں جو مادی اشیاء کے اسباب ہیں۔

خدا کے ساتھ تعلق بہت بڑی طاقت ہے۔ جس طرح ہم ظاہر میں تبدیلیاں دیکھتے ہیں، اور یہ معلوم ہو چکا ہے کہ وہ اتفاقی طور پر ظہور میں نہیں آتے، اسی طرح ایسے انسان جو مختلف ممالک میں پیدا ہوتے ہیں اور وہاں کے لوگوں کی ذہنیتوں کو بدل دیتے ہیں، یہ اتفاقی نہیں بلکہ اسباب کا نتیجہ ہیں۔ وہ کیا اسباب ہیں؟ وہ ہیں خدا کے ساتھ انسان کا تعلق پیدا ہونا، جس وقت خدا کے ساتھ انسان اپنا تعلق جوڑتا ہے تو ایک ایسی طاقت اس کے اندر پیدا ہو جاتی ہے جو نہ صرف اس کے خیالات اور ذہنیت کو بدل دیتی ہے بلکہ یہ طاقت اپنے کمال کو پہنچ کر پہاڑوں کو بھی ہلا دیتی ہے۔ قرآن نے پہاڑوں کو ہلا دیا۔ قرآن کریم میں ارشاد ہوتا ہے:

ترجمہ: ''یہ قرآن اتنی بڑی عظیم الشان طاقت ہے کہ اگر ہم پہاڑوں پر اسے نازل کرتے تو وہ بھی خوف خدا سے ٹکڑے ٹکڑے ہو جاتے''۔

عرب کے بڑے بڑے لوگ یہ خیال کرتے تھے کہ وہ پہاڑوں سے بھی بلند اور ناقابل تسخیر ہیں۔ اور اسی لئے انہیں جبال کہا گیا تھا۔ تو دیکھو! ان پہاڑوں کو بھی قرآن نے ہلا دیا اور ٹکڑے ٹکڑے کر دیا!

اسلام کا پیدا کردہ انقلاب زبردست طاقت کا نتیجہ ہے۔ اگر غور کیا جائے تو یہ کوئی اتفاقی امر نہ تھا بلکہ کسی زبردست سبب اور عظیم الشان طاقت کا نتیجہ تھا، جب تک انسان عقل سے کام نہ لے وہ ان اشیاء کی حقیقت کو معلوم نہیں کر سکتا۔ مذہب سے بُعد لاعلمی کی وجہ سے ہے۔ مذہب درحقیقت ایک سائنس ہے۔ ان مختلف لوگوں کو، جو مختلف زمانوں اور مختلف ملکوں میں پیدا ہوئے، کونسی طاقت حاصل تھی کہ انہوں نے تمام لوگوں کے خیالات کو یکسر بدل دیا۔

یقین محکم کے کرشمے

قرآن کریم اور تاریخ میں اس کے نتائج اور اثرات کا مطالعہ کریں تو اس میں کس قدر قوت اور اپنے غلبہ کا یقین نظر آتا ہے۔ اس ابتدائی زمانہ سے، جب محمد رسول اللہ صلعم اکیلے تھے اور آپ صلعم کو سخت ترین دکھ دیئے جاتے تھے۔ اس وقت کس قدر یقین کے ساتھ بار بار یہ کہا جاتا تھا کہ مخالفت پاش پاش ہو جائے گی اور خدا کا رسول صلعم بالآخر غالب آئے گا۔ حالانکہ اس وقت ظاہر واقعات ایسے تھے کہ وہ بالکل ان ہونی بات معلوم ہوتی تھی۔ اسی طرح مختلف ملکوں میں جب ہم دیکھتے ہیں کہ ایسے ہی انسان مختلف وقتوں اور مختلف ملکوں میں پیدا ہوئے جو مختلف زبانیں بولتے تھے اور جنہوں نے شدید مخالفتوں کے باوجود

لوگوں کی ایسی اصلاح کی کہ گویا کایا پلٹ دی۔

اسلام کا کمال

اسلام سے پہلے جنم لینے والے مذاہب ایسا کامل علم نہ دے سکے۔ ہندوؤں نے اپنی جگہ کہہ دیا کہ وحی اور الہام ہمارے ہی ملک اور قوم تک محدود ہے۔ یہودی صرف تورات کو ہی اپنی جائیداد سمجھنے لگے اور عیسائی بھی۔ لیکن یہ حقیقت اس وقت تک پوری عیاں نہ ہوئی جب قرآن مجید نے تاریخی واقعات کے ساتھ اس پر زور دیا کہ:

ترجمہ: ''یعنی کوئی امت نہیں جس میں کوئی نذیر نہ آیا ہو (35:24)

گویا اس نے مذہب کے کردار کو ایک تاریخ اور ایک علمی حقیقت بنا دیا۔ حضرت نبی کریم صلعم دنیا میں کامیاب ترین انسان اسی لحاظ سے ہیں کہ انہوں نے خدا کی اور اپنے اعلیٰ ترین اخلاق اور عملی نمونہ سے مذہب کی افادیت کو مستحکم کر دیا۔ وہ لوگ جو محمد رسول اللہ صلعم کے منکر ہیں۔ وہ بھی اس بات کے معترف ہیں کہ آپ صلعم سے بڑھ کر کامیاب کوئی انسان دنیا میں نہیں ہوا۔ یہ وہ انسان ہے جس نے عرب کے تمام اکھڑ لوگوں کے دماغوں کو ان کے خیالات کو اور ان کی ذہنیتوں کو یکسر بدل دیا۔

صحابہ کرامؓ کی عظیم الشان کامیابیاں

آپ صلعم کے پیرو بھی آپؐ کی اسی قوت قدسی سے حصہ لیتے ہیں ۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ، حضرت عمرؓ، حضرت عثمانؓ، حضرت علیؓ اور دیگر صحابہؓ نے اسی قوت سے اکتساب کر کے روحانی اور دنیاوی انقلاب برپا کئے ۔ دنیا ان انقلابی تبدیلیوں پر حیران ہے۔ اُن کی فتوحات پر ایچ جی ویلز لکھتا ہے کہ یہ دنیا کی تاریخ میں بے نظیر ہیں۔ یہ نہیں کہ نپولین کی طرح فتوحات حاصل کیں اور تھوڑے ہی عرصہ میں وہ ختم ہو گئیں۔ اور آخر فاتح خود ہی ناکامی کا منہ دیکھتا ہوا اس دنیا سے رخصت ہوا بلکہ جہاں جہاں صحابہؓ کا قدم گیا انہوں نے نہ صرف ملکوں کو فتح کیا بلکہ لوگوں کے ذہن انداز فکر اور طرزِ زندگی میں انقلاب برپا کر کے ایک نئے دور کا آغاز کیا۔

حضرت مسیح موعودؑ نے قرآن سے طاقت حاصل کی

آج مسلمان وسائل ہونے کے باوجود کتنے ہی کمزور نظر آتے ہیں ۔ دولت اور سلطنت بھی موجود ہے لیکن قرآن کی تعلیم کے نور سے ذہن و عمل میں روشن خیالی مفقود ہے جس کے ذریعہ دنیا میں مسلمان قوم پھر سے غلبہ حاصل کر سکتی ہے۔ اس صدی کے مجدد نے بھی قرآن کے ذریعہ سے ہی وہ طاقت حاصل کی ہے اور مغرب میں ان روشن خیالات کو پھیلانے کا عزم کیا۔

حق غالب ہو کر رہے گا

حق اپنے اندر بہت بڑی طاقت رکھتا ہے۔ فرعون اور موسیٰ علیہ السلام کے واقعات، ابوجہل کی مخالفت اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا استقلال اور بالآخر کامیابی تاریخ کے وہ انمٹ نمونے ہیں جن کا انکار نہیں ہو سکتا۔ قرآن کریم میں آتا ہے۔

ترجمہ: ''اسی نے رسول بھیجا ہدایت اور دین حق کے ساتھ تا کہ تمام دینوں پر غالب کر دے'' (48:28)

اس وقت جب کوئی غلبہ کے آثار نہ تھے، یہ خوشخبری سنائی کہ یہ دین تمام دینوں پر غالب ہو گا۔ یہ کتنی بڑی طاقت اور قوت ہے! واقعات کو دیکھو کتنی بڑی عظیم الشان کامیابی رفتہ رفتہ حاصل ہوتی گئی۔ پہلی صدی میں کچھ دوسری میں کچھ اور تیسری میں کچھ جو کل تک نہ سمجھتے تھے ان کو آج سمجھ آ گئی۔ اور جن کو آج سمجھ نہیں آتی ان کو کل آ جائے گی اور خدا کا دین آخر کار غالب ہو کر رہے گا۔

آخر میں اللہ سے دعا ہے کہ وہ ہمیں قرآن کریم کے اصولوں اور حکموں پر عمل کرنے اور اس کی حکمتوں کو سمجھنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

☆☆☆☆

محترم عامر عزیز صاحب کے اعزاز میں الوداعی تقریب

شبان الاحمدیہ مرکزیہ کا خصوصی اجلاس

از: ادریس ممتاز، سیکرٹری شبان الاحمدیہ مرکزیہ، لاہور

18 فروری 2015ء کو شبان الاحمدیہ مرکزیہ، لاہور کی طرف سے محترم استاد اور عالم عامر عزیز صاحب جو اب تک مرکزی احمدیہ انجمن میں جنرل سیکرٹری کے عہدہ پر فائض تھے اور جو عنقریب امام برلن کے طور پر فرائض سنبھالنے جرمنی تشریف لے جارہے ہیں، ان کی علمی اور تبلیغی خدمات کو سراہنے اور ان کو الوداع کہنے کے لئے جامع دارالسلام میں بعد از نماز عصر ایک خصوصی تقریب کا اہتمام کیا گیا۔

چونکہ آخری دنوں میں ان کی مصروفیت زیادہ رہیں، اس لئے مختصر نوٹس پر اس تقریب کا اہتمام کیا گیا۔ تقریب کے پروگرام کے لئے سٹیج سیکرٹری کے فرائض محترم فضل حق صاحب (صدر شبان الاحمدیہ) نے سرانجام دیئے۔ تقریب کا آغاز تلاوت قرآن مجید سے کیا گیا۔ ہمارے ننھے نوجوان عزیزم مظفر احمد سیال نے نہایت اعتماد سے خوبصورت تلاوت کی۔ اس کے بعد ہمارے محنتی مبلغ سیاب خان صاحب نے بڑے جوش اور روانی سے ملفوظات حضرت بانی سلسلہ احمدیہ پڑھ کر سنائے۔

برادرم وقاص احمد صاحب نے محترم عامر عزیز صاحب کی زندگی کے حالات مختصر لیکن جامع طور پر پیش کئے۔ انہوں نے بتایا کہ جب ان کے والد محترم عبدالعزیز صاحب سخت بیمار تھے اور بیماری نے خطرناک صورت اختیار کر لی تو عامر عزیز صاحب جو اس وقت کالج میں پڑھ رہے تھے اور گھر میں سب سے بڑے تھے انہوں نے جس خندہ پیشانی سے ان کی تیمارداری کی اور پھر اس شفیق باپ کی جدائی کا صدمہ صبر و تحمل سے برداشت کیا وہ قابلِ ستائش تھا۔

محترم عبدالعزیز صاحب نے ریلوے کی نوکری چھوڑ کر اپنے بڑے بیٹے عامر عزیز صاحب کو لے کر مرکز میں خدمت کی غرض سے دارالسلام لاہور میں سکونت اختیار کر لی۔ اس دوران اخبارات کی سکینگ اور پھر مسجد مسلم ٹاؤن کی نگرانی کے کٹھن فرائض کو جس محنت اور لگن سے سرانجام دیا وہ لوگوں کو یاد ہے۔ اس دوران جامع احمدیہ بلڈنگس اور دیگر شہروں میں تقریبات میں خطابات اور تقاریر بھی کرتے رہے۔ عبدالعزیز صاحب مرحوم نہایت مخلص، شریف النفس اور دین کی خدمت کا بے حد جذبہ رکھتے تھے اور عامر عزیز صاحب نے اس ورثہ کو نہ صرف جاری رکھا بلکہ اس میں نمایاں اور قابل ستائش ترقی کی۔

اس موثر تقریر میں وقاص احمد صاحب نے عامر عزیز صاحب کے والد کی وفات کے بعد ان کے گاؤں کچھی اور پھر کھلابٹ ٹاؤن شپ (ضلع ہری پور) میں غیر احمدی رشتہ داروں اور لوگوں کی اعصاب شکن مخالفت اور تکالیف اور فیملی کو درپیش مشکلات کا ذکر کیا کہ کس طرح ایک نوجوان تن تنہا والدہ اور بہن اور بھائیوں کی سرپرستی کرتا رہا اور اپنی تعلیم کو بھی جاری رکھے رہا۔ حالات اتنے ناقابل برداشت ہوگئے کہ انہوں نے اپنا گھر بار چھوڑا اور فیملی کو لے کر احمدیہ بلڈنگس لاہور کے ایک فلیٹ میں آ ڈیرہ ڈالا۔

لاہور آ کر خوش قسمتی سے عامر عزیز صاحب کو بیکن ہاؤس سکول سسٹم میں ٹیچر کی ملازمت مل گئی۔ اسلامیات اور انگریزی کے مضامین میں عامر صاحب کی قابلیت کو دیکھ کر انتظامیہ نے نہ صرف جلد ہی تنخواہ میں اضافہ کیا بلکہ گریڈ میں ترقی بھی دی اور عامر عزیز صاحب کے سپرد کئی اہم شعبوں کا کام کر دیا۔ اس دوران عامر صاحب انتہائی محنت، صبر اور اللہ پر کامل یقین سے اپنے فرائض سرانجام دیتے رہے اور خاموشی سے تعلیمی میدان میں آگے بڑھتے رہے۔

تقریباً دس سال تک آپ جنرل سیکرٹری مرکزی احمدیہ انجمن لاہور کے عہدہ پر فائض رہے۔ آپ نے انتظامی، تبلیغی اور لیز رسکول کے قیام اور ترقی میں نہ صرف بھر پور حصہ لیا بلکہ کئی ورک شاپس کی منصوبہ بندی کی اور ان کو منظم طریق پر جاری رکھنے میں غیر معمولی ذہانت اور دلچسپی کا مظاہرہ کیا۔ انہوں نے اسلامی دنیا کی مشہور یونیورسٹی الازھر سے ایک سال کا عربی کورس نہایت کامیابی سے پاس کیا اور واپس آکر حضرت بانی سلسلہ احمدیہ کی پانچ عربی کتب کا اُردو میں ترجمہ کیا۔ یہ تراجم احمدی حلقوں میں بے حد پسند کئے گئے۔ اس کے علاوہ انہوں نے دو کتابچے اختلاف سلسلہ کے متعلق ایک اچھوتے انداز میں مرتب کئے جس میں دونوں جماعتوں کے بنیادی اختلافات کا تاریخی اور واقعاتی پس منظر نہایت موثر اور دلچسپ انداز میں پیش کیا۔

اسی دوران عامر صاحب نے حضرت ڈاکٹر عبدالکریم سعید صاحب ایدہ اللہ کے ہمراہ کم وبیش تمام ملکی جماعتوں اور بیرونی ممالک کے کئی لمبے اور اہم دورے کئے اور ان کے متعلق تفصیلی رپورٹس بھی مرتب کیں۔ جو پیغام صلح اور ہوپ بلیٹن میں شائع ہوتی رہیں۔ ان دوروں میں ایک طرف وہ فجی، آسٹریلیا، انڈونیشیاء کی جماعتوں میں گئے تو دوسری طرف انگلستان، ہالینڈ، جرمنی، ٹرینیڈاڈ، گیانا اور سرینام بھی گئے۔ ان ممالک کے علاوہ آسٹریلیا، کینیڈا اور نیوزی لینڈ بھی تشریف لے گئے۔

لاہور آکر خوش قسمتی سے عامر عزیز صاحب کو بیکن ہاؤس سکول سسٹم میں ٹیچر کی ملازمت مل گئی۔ اسلامیات اور انگریزی کے مضامین میں عامر صاحب کی قابلیت کو دیکھ کر انتظامیہ نے نہ صرف جلد ہی تنخواہ میں اضافہ کیا بلکہ گریڈ میں ترقی بھی دی اور عامر عزیز صاحب کے سپرد کئی اہم شعبوں کا کام کردیا۔ اس دوران عامر صاحب انتہائی محنت، صبر اور اللہ پر کامل یقین سے اپنے فرائض سرانجام دیتے رہے اور خاموشی سے تعلیمی میدان میں آگے بڑھتے رہے۔ **تقریباً دس سال تک آپ جنرل سیکرٹری مرکزی احمدیہ انجمن لاہور کے عہدہ پر فائض رہے۔ آپ نے انتظامی، تبلیغی اور لیز رسکول کے قیام اور ترقی میں نہ صرف بھر پور حصہ لیا بلکہ کئی ورک شاپس کی منصوبہ بندی کی اور ان کو منظم طریق پر جاری رکھنے میں غیر معمولی ذہانت اور دلچسپی کا مظاہرہ کیا۔ انہوں نے اسلامی دنیا کی مشہور یونیورسٹی الازھر سے ایک سال کا عربی کورس نہایت کامیابی سے پاس کیا اور واپس آکر حضرت بانی سلسلہ احمدیہ کی پانچ عربی کتب کا اُردو میں ترجمہ کیا۔ یہ تراجم احمدی حلقوں میں بے حد پسند کئے گئے۔ اس کے علاوہ انہوں نے دو کتابچے اختلاف سلسلہ کے متعلق ایک اچھوتے انداز میں مرتب کئے جس میں دونوں جماعتوں کے بنیادی اختلافات کا تاریخی اور واقعاتی پس منظر نہایت موثر اور دلچسپ انداز میں پیش کیا۔**

غرضیکہ عامر عزیز صاحب نے اپنی سیکرٹری شپ کے دوران انتظامی امور، علمی اور تبلیغی میدان میں اپنی قابلیت کے جوہر دکھائے۔ اسی طرح احمدیہ انجمن لاہور کے صد سالہ تقریب کے موقع پر حضرت بانی سلسلہ احمدیہ کی وفات کے بعد اختلاف سے متعلق واقعات اور حقائق کے متعلق دو دلچسپ خاکے بھی تحریر کئے جن میں سے ایک کو ڈرامائی تشکیل نوجوان طالبہ خدیجہ احمد صاحبہ نے دیا اور دوسرے کی دستاویزی فلم وقاص احمد صاحب نے تیار کی۔ اس قسم کے کئی تخلیقی اور ادبی کام بھی عامر صاحب نے اس عرصہ میں سرانجام دیئے۔

یہ کہنا بے جا نہ ہوگا کہ عامر عزیز صاحب نے 10 سال کے عرصہ میں نوجوانوں کے لئے دین کی خدمت اور اس کی ترویج اور اس سلسلہ میں جذبہ اور استقامت کا قابل قدر نمونہ پیش کیا اور وہ مستقبل کے لئے اُمید کی ایک کرن بن کر اُبھرے ہیں۔

اس کے بعد خواتین کی طرف سے فائزہ عثمان صاحبہ نے ایک بہن کے ناطے سے اپنے تاثرات بڑے جذباتی انداز میں پیش کئے۔ فائزہ عثمان صاحبہ عامر صاحب کی سب سے چھوٹی بہن ہیں۔ انہوں نے زیادہ تر تعلیم لاہور میں مکمل کی۔ انہوں نے چند ایسے واقعات بیان کئے جن سے ظاہر ہوا کہ عامر صاحب نے لاہور آکر ملازمت کے دوران کٹھن مراحل طے کئے تاکہ ان کے پانچ بھائی اور چھوٹی بہن کی تعلیم میں کوئی کمی نہ رہ جائے۔ وہ سکول کے بعد رات دیر تک ٹیوشن پڑھاتے تاکہ گھر کے اور دیگر

اخراجات پورے ہو سکیں۔ ٹیوشن کے اس ذہن کو تھکا دینے والی مصروفیات کے باوجود گھر کے معاملات میں وہ نہایت متانت اور ذمہ داری سے دلچسپی لیتے اور ان کے مزاج میں کبھی تلخی یا تنگ مزاجی نہ آئی۔ والدہ اور بہن بھائیوں کے ساتھ ان کا رویہ نہایت شفقت سے بھرپور رہا اور یہ رویہ اور سلوک شادی کے بعد بھی بدستور رہا۔ بقول فائزہ صاحبہ کے عامر بھائی نے چھوٹی عمر ہونے کے باوجود ایک باپ کا کردار ادا کیا اور کبھی یہ محسوس نہ ہونے دیا کہ وہ اپنا رعب جھاڑ رہے ہیں یا کوئی رائے زبردستی ہم پر مسلط کر رہے ہیں۔ (بقیہ صفحہ نمبر 16)

بقیہ: درس قرآن کریم (نصیر احمد فاروقی مرحوم و مغفور)

ان باتوں کو تو صرف وہ انسان جان سکتا ہے جس کا وہ سینہ ہے یا اللہ تعالیٰ جس نے وہ سینہ بنایا ہے اور اس کے اندر کے تمام انتظامات بنائے ہیں۔ اسی لئے قرآن حکیم نے اللہ تعالیٰ کو **علیم بذات الصدور** فرمایا کہ وہ سینوں کے اندر جو کچھ ہے انہیں بخوبی جانتا ہے۔

رسول اللہ صلعم نے بھی اس حکمت کی بات کو کیا اچھا بیان فرمایا ہے کہ:

''سن لو کہ انسان کے جسم میں ایک ٹکڑا ہے اگر وہ ٹھیک ہو جاتا ہے تو تمام جسم ٹھیک ہو جاتا ہے اور اگر وہ بگڑ جائے تو تمام انسان بگڑ جاتا ہے۔ جان لو کہ وہ انسان کا قلب ہے''۔

انسان کے سینہ میں بغض، حسد، کینہ، دشمنی، تکبر، غرض قسما قسم کے جذبات (بلکہ لفظ امراض ہے) وہ ہوتے ہیں۔ ان کو نہ جاننے سے دوسرے لوگ اس انسان کے عمل کے متعلق دھوکا کھا جاتے ہیں۔ خصوصاً جب وہ انسان اپنے سینہ کے راز کو چھپائے ہوئے اپنی نیک نیتی یا نیک عملی کا دھوکا دے۔ اس سے بہت سے فتنے اور فساد پیدا ہوتے ہیں۔ اس لئے جب تک کہ سینہ کے رازوں کو قابل محاسبہ اور قابل سزا نہ بنایا جائے تو انسانوں کی اصلاح ہو سکتی ہے نہ دنیا کے دکھوں کا علاج ہو سکتا ہے۔ رسول اللہ صلعم نے کیا صحیح بات فرمائی کہ ''اعمال کا اچھا یا برا ہونا اس نیت پہ مبنی ہوتا ہے جس سے وہ اعمال کئے جائیں'' مثلاً ایک قاتل قتل کرتا ہے اور ایک ڈاکٹر آپریشن کرتا ہے جو فیل ہو جاتا ہے۔ نتیجہ دونوں کا موت ہوتا ہے مگر قاتل کو پھانسی دی جاتی ہے اور ڈاکٹر کو فیس اور اعزازات ملتے ہیں۔ فرق صرف نیت کا تھا اور نیت سینہ کے اندر کے جذبات اور خواہشات پر مبنی ہوتی ہے۔

قرآن حکیم بھی عجیب کتاب ہے۔ سینہ کے رازوں کا ذکر فرماتے ہوئے:

''**اور اگر تم ظاہر کرو جو تمہارے سینوں میں ہے**'' کو پہلے رکھا اور ''**یا تم اسے چھپاؤ**'' کو پیچھے رکھا۔ اس میں یہ حکمت ہے کہ شروع شروع میں جو انسان کے دل میں ہو وہ اس کی زبان پر آ جاتا ہے۔ بچہ تو اپنے سینہ کے راز یا اپنی نیت کو چھپانا جانتا ہی نہیں۔ جوں جوں انسان کی عمر بڑھتی ہے اور لوگوں کی ناپسندگی یا سزا کا خوف پیدا ہونے لگتا ہے تو وہ اپنے سینہ کے رازوں کو چھپانے لگتا ہے جیسا کہ لڑکا یا نوجوان اور پختہ عمر ہونے پر تو لوگوں کے خوف سے یا قانون کے خوف سے انسان اپنے سینہ کے بھیدوں اور نیتوں کو چھپانے کا ماہر بن جاتا ہے مگر جس ذات نے انسان کا سینہ اور اندر کے انتظامات بنائے ہیں وہ ان مخفی رازوں کو جانتا ہے اور اسی دنیا میں سزا کے طور پر اس انسان کے سینہ میں جلن اور آگ کو پیدا کر دیتا ہے بلکہ اکثر ایسے شخص کے سینہ کی چھپائی ہوئی گندگیوں یا برائیوں کو ظاہر کر کے اسے ذلیل اور رسوا کر دیتا ہے۔ بہر حال سینہ کے گند کبھی نہ کبھی بداعمالیاں بن کر ظاہر ہو ہی جاتے ہیں اور تب انسان اسی دنیا میں سزا پا لیتا ہے جو کہ آخرت کی اصل پکڑ اور سزا پہ دلیل ہوتی ہے۔ (باقی آئندہ)

☆☆☆☆

''اللہ ہر چیز پر قادر ہے''

درس قرآن کریم ''نصیر احمد فاروقی مرحوم و مغفور''

(معارف القرآن)

ترجمہ: ''اللہ کا ہی ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے اور اگر تم ظاہر کرو جو کچھ تمہارے دلوں میں ہے یا اسے چھپاؤ اللہ تم سے اس کا حساب لے گا۔ پھر وہ جس کو چاہے مغفرت کرے اور جس کو چاہے عذاب دے۔ اور اللہ ہر چیز پر قادر ہے''۔ (سورۃ البقرہ:۲۸۴)

یہ سورۃ البقرہ کے چالیسویں اور آخری رکوع کی پہلی آیت ہے۔ اس رکوع کا میں انشاء اللہ کچھ تفصیل سے درس دوں گا۔ وجہ یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: **''مجھے دو چیزیں دی گئی ہیں جو اور کسی نبی کو نہیں دی گئیں۔ ایک تو سورۃ فاتحہ اور دوسرے سورۃ بقرہ کا آخری رکوع''** ایک اور روایت کے مطابق یہ رکوع رسول اللہ صلعم پر معراج کے دوران نازل ہوا۔ بہر صورت یہ رکوع ایک علم اور معرفت اور ہدایت کا سمندر ہے۔ میں اس کو کما حقہ سمجھا سکوں گا یا نہیں یہ میں نہیں کہہ سکتا۔ اللہ تعالیٰ میری مدد فرمائے آمین۔

ایک سوچنے والے انسان کے دل میں سوال اُٹھتا ہے کہ یہ زمین اور آسمان کس نے بنائے ہیں؟ ان کے اندر جو کچھ ہے وہ کس نے بنایا ہے اور کیوں بنایا ہے؟ انسان کو کس نے پیدا کیا ہے؟ انسان کی پیدائش کا مقصد کیا ہے؟ انسان کو کس طرح تمام کائنات پر برتری حاصل ہوئی؟ کیا انسان کے اوپر بھی کوئی ہستی ہے؟ موت کیا ہے اور اس کے بعد کیا ہے؟ وغیرہ وغیرہ۔ ان سوالات کا جواب کچھ تو اس آیت مبارکہ میں ہے جو میں نے آج پڑھی ہے اور کچھ آگے آئے گا۔ مختصراً پہلی بات جو آج سے چودہ سو سال پہلے جب قرآن کریم نازل ہوا کسی کو معلوم نہ تھی وہ یہ فرمائی کہ تمہیں جو بظاہر ایک آسمان دکھائی دیتا ہے وہ ایک نہیں بلکہ بہت سے ہیں اسی لئے لفظ سمآء کی جگہ سمٰوٰت استعمال فرمایا جو جمع کا صیغہ ہے۔ ان آسمانوں کی وسعت اس قدر ہے کہ وہ انسانی دماغ میں سمجھ نہیں آتی۔ روشنی جو کہ ایک سیکنڈ میں ایک لاکھ چھیاسی ہزار میل کی رفتار رکھتی ہے اس سے سائنس دانوں نے کائنات کے فاصلوں کو ناپنے کی کوشش کی ہے۔ اس ایک لاکھ چھیاسی ہزار میل کو ساٹھ سے ضرب دیا جائے تو وہ فاصلہ بنتا ہے جو کہ روشنی ایک منٹ میں طے کرتی ہے، اس کو پھر ساٹھ سے ضرب دیں تو وہ فاصلہ بنتا ہے جو کہ روشنی ایک گھنٹہ میں طے کرتی ہے، پھر اس کو ۳۶۵ سے ضرب دیں تو وہ فاصلہ بنتا ہے جو کہ روشنی ایک سال میں طے کرتی ہے، اس کو علم فلکیات Astronomy میں Light year یعنی روشنی کا سال کہتے ہیں۔ تو اب تک ہماری کائنات جو معلوم ہوئی ہے اس کا قطر Diameter ستر Billion Light year ہے۔ Billion جیسا کہ آپ جانتے ہیں دس لاکھ کو دس لاکھ سے ضرب دینے سے بنتا ہے اور جوں جوں سائنس اور اس کے آلات ترقی کر رہے ہیں یہ وسعت اور بڑھتی چلی جا رہی ہے۔

آج سے چودہ سو سال پہلے ایک عرب کے اُمّی کو تو کیا معلوم ہونا تھا خود سائنسدانوں کو یہ معلوم نہ تھا کہ یہ عقل کو حیران کرنے والی کائنات تمام ایک مادہ سے بنی ہے اور ایک قوانین میں جکڑی ہوئی ہے۔ تبھی تو دہریہ سائنس دان اب یہ کہنے پر مجبور ہوئے ہیں کہ اس تمام کائنات کا خدا ہے اور وہ ایک ہے۔ یہ عظیم الشان انکشاف آج سے چودہ سو سال پہلے قرآن نے کیا کہ آسمانوں میں جو کچھ ہے اور زمین میں جو کچھ ہے وہ اس اللہ کا ہے جس نے انہیں پیدا کیا۔ آسمانوں پر تو ملکیت کا دعویٰ کسی انسان کے دماغ میں بھی نہیں آ سکا۔ خود زمین میں انسان اپنی ماں کے پیٹ سے خالی ہاتھ آتا ہے اور خالی ہاتھ قبر میں جا لیٹتا ہے۔ اس

زمین میں جو کچھ انسان کو ملتا ہے اور جو بظاہر وہ اپنا سمجھتا ہے وہ انسان کے اپنے اختیار میں نہیں۔ چاہے وہ انسان کا جسم ہو یا اس کی زندگی، صحت، خوشی، عزت، مال یا حکومت، غرض ان میں سے کوئی چیز انسان کے اپنے اختیار میں نہیں۔ دنیا میں جو کچھ ملتا ہے وہ بھی اللہ تعالیٰ دیتا ہے جیسا کہ قرآن نے کئی جگہ فرمایا جن میں سے ایک آیت کے متعلقہ الفاظ میں آپ کو سناتا ہوں۔ ''یعنی جو کوئی جلد آنے والا نفع چاہتا ہے تو ہم اسے اسی دنیا میں جتنا ہم چاہتے ہیں اور جس کو ہم چاہتے ہیں جلد دے دیتے ہیں'' (سورۃ بنی اسرائیل ۱۷۔۱۸)

عـــاجلة یعنی جلد ملنے والی چیزیں اس دنیا کی ہیں۔ فرمایا اگر انہیں ہی چاہتے تو یہ بھی جس کو ہم چاہیں اور جتنا ہم چاہیں تمہیں دیتے ہیں۔ مگر جیسا کہ میں ایک ابتدائی درس میں قرآن حکیم سے بتا آیا ہوں اللہ تعالیٰ نے انسان کو زمین میں اپنا خلیفہ بنایا ہے اور محدود اختیارات انسان کو Delegate (تفویض) کئے ہیں، دیئے ہیں۔ سو ہم دیکھتے ہیں کہ اس عجائبات سے پُر اور حیرت انگیز نظام یا خود زمین میں سورج چاند کا نکلنا یا غروب ہونا، وہ بالکل ٹھیک ٹھاک چل رہے ہیں۔ مجال ہے کہ سورج یا چاند ایک سیکنڈ دیر سے یا پہلے آ ئیں جائیں۔ مگر حضرت انسان کو جو کچھ اختیار دیا ہے وہ جس کام پہ ہاتھ ڈالتے ہیں اکثر اسے بگاڑتے ہیں۔ ورنہ یہ دنیا جنت بنائی گئی تھی جیسا کہ قرآن نے آدم کو فرمایا ''اور ہم نے کہا اے آدم تو اور تیری بیوی اس جنت میں رہو''۔ میں اس آیت کی تفسیر میں یہ بتا آیا ہوں کہ یہ جنت اسی دنیا کی زندگی تھی۔ مگر حضرت انسان ہمیشہ فساد اور مصیبتیں پیدا کرتے رہے۔ دور کیوں جاؤ اس زمانہ میں دیکھ لیجئے کہ انسان نے علم اور سائنس کی کیا حیرت انگیز ترقیات کی ہیں۔ اور لوگوں کی سمجھ بوجھ بھی بڑھ گئی ہے۔ الغرض دنیاوی ترقیات کی انتہاء کے باوجود دنیا جس قدر آج دکھی ہے یا بگڑی ہوئی ہے کبھی نہ تھی۔

تو دنیا کی اصلاح نہیں ہوسکتی جب تک کہ انسان کی اصلاح نہ کی جائے جو کہ دنیا کے کاروبار چلا رہا ہے اور انسانوں کی اصلاح نہیں ہوسکتی جب تک کہ ان کے دلوں کی اصلاح نہ کی جائے۔ وجہ یہ ہے کہ انسانی عقل جس کا مرکز انسانی دماغ میں ہے وہ تو سب کو ایک ہی طرز کی رہنمائی دیتی ہے۔ مگر انسان کو چلانے والے ان کے جذبات اور خواہشات ہیں جن کا مرکز انسان کا دل ہے۔ عقل بطور ڈرائیور یا گھوڑے سوار ہوتی ہے مگر جب تک کہ انسان کو چلانے والی چیز یا Motive Force جو اس کے جذبات اور خواہشات ہیں وہ قابو میں نہ ہوں تو انسان کی عقل روکتی رہ جاتی ہے پر انسان وہی کر گذرتا ہے جو اس کا دل چاہے۔ اسی لئے آج کی آیت میں فرمایا کہ اللہ تعالیٰ اس کا محاسبہ کرے گا جو کچھ تمہارے دلوں میں ہے۔ مافی انفسکم کے معنی جو کچھ تمہارے دلوں میں ہے کئے گئے ہیں۔ میں سر دست وہی معنی لے کر تفسیر کر رہا ہوں۔ دوسرے کسی مذہب یا الہامی کتاب نے دل کے اندر کی باتوں کے محاسبہ یا جوابدہی کا ذکر نہیں کیا یا اس کو وہ اہمیت نہیں دی جو قرآن پاک نے دی ہے۔ دنیا کے قوانین بھی صرف انسان کے اعمال پہ محاسبہ کرتے ہیں۔ دلوں کی باتوں پر نہیں۔ مگر یہی ان کی کمی یا نقص ہے انسان کا عمل تو بہت بعد میں ظاہر ہوتا ہے۔ ایک چور نے اگر چوری کہیں کرنی ہو تو دیر تک اس کی کھچڑی اپنے دل میں پکاتا ہے۔ جس مکان میں چوری کرنی ہو اسے اور اس کے رہنے والوں پر نگاہ رکھتا ہے۔ پوچھ گچھ کرتا ہے وغیرہ وغیرہ تب آخیر میں وہ ارادہ پورا ہوتا ہے اور ایک ظاہری عمل دیکھنے میں آتا ہے۔ ایک بلیک مارکیٹ کرنے والا یا بدچلن انسان اپنے سینہ کے اندر تمام اسکیم بناتا ہے اور آخیر میں جا کر عمل ظاہر ہوتا ہے۔ الغرض انسان کی تمام اخلاقی اور روحانی بیماریاں دراصل اس کے دل کے اندر نشو ونما پاتی ہیں اور بہت بعد میں جا کر ظاہر ہوتی ہیں۔ تو جب تک ان بیماریوں کی جڑ کو نہ نکالا جائے وہ دور نہیں ہوسکتیں۔ ایک ڈاکٹر یا حکیم اگر کسی ناسور میں سے جو پیپ آ رہی ہے وہ صرف اس وقت صاف کرے جب وہ باہر نکلے تو وہ ناسور کبھی دور نہ ہوگا۔ اس ڈاکٹر یا حکیم کو اس بیماری کی جڑ کا علاج کرنا ہوگا۔ اسے صاف کرنا ہوگا۔ جن مذاہب نے انسان کے سینہ کی باتوں کو قابل مواخذہ نہیں ٹھہرایا وہ انسانوں کی اصلاح نہیں کر سکتے۔ انسانی قوانین بھی صرف انسان کے اعمال پر پکڑ کر سکتے ہیں اس لئے کہ انسان کے سینہ کی باتوں کو وہ نہیں جان سکتے۔

(بقیہ صفحہ نمبر22)

باہتمام پاکستان پرنٹنگ ورکس کچا رشید روڈ لاہور سے چھپوا کر پبلشر چوہدری ریاض احمد صاحب نے دفتر پیغام صلح، دارالسلام۔۵۔عثمان بلاک، نیو گارڈن ٹاؤن لاہور سے شائع کیا۔

دِل میں مگر یہی ہے کہ مرنا نہیں کبھی

دُنیا کی حرص و آز میں کیا کُچھ نہ کرتے ہیں
نقصاں جو ایک پیسہ کا دیکھیں تو مرتے ہیں

زر سے پیار کرتے ہیں اور دِل لگاتے ہیں
ہوتے ہیں زر کے ایسے کہ بس مر ہی جاتے ہیں

جب اپنے دلبروں کو نہ جلدی سے پاتے ہیں
کیا کیا نہ اُن کے ہجر میں آنسو بہاتے ہیں

پر اُن کو اُس سجن کی طرف کچھ نظر نہیں
آنکھیں نہیں کان نہیں دل میں ڈر نہیں

اُن کے طریق و دھرم میں گو لاکھ ہو فساد
کیسا ہی ہو عیاں کہ وہ ہے جھوٹ اعتقاد

پر تب بھی مانتے ہیں اُسی کو بہر سبب
کیا حال کر دیا ہے تعصّب نے، ہے غضب

دِل میں مگر یہی ہے کہ مرنا نہیں کبھی
ترک اس عیال و قوم کو کرنا نہیں کبھی

اے غافلاں وفا نہ کند ایں سرائے خام
دُنیائے دُوں نماند و نماند بہ کس مدام

(درِثمین ص9)